میرا نام .... ہے

اور یہ میرا پیارا پھول ہے

اسے پڑھنے سے پہلے مجھے ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ

- ★ نماز کی ادائیگی میں دیر نہ ہو رہی ہو۔
- ★ آج کا ہوم ورک مکمل ہو گیا ہو۔
- ★ ابو امی نے جو کام کہے تھے وہ کر لئے ہوں

پھول رنگ

پھول کی ادا سب سے جدا

انتساب

ہر اُس باپ کے نام
جس نے
اپنی اولاد کی بہترین پرورش
اور عمدہ تربیت کرکے
اُس کی
اور اپنی زندگی و آخرت
کامیاب بنائی۔

23۔ کوئنز روڈ لاہور۔ پاکستان: فون نمبر UAN:111-123-240 36307141
-36314099 ایڈیٹر۔ EXT-208 EXT-347 فیکس: 36367516-36367583
http//www.phool.com.pk
shoaibmirza.phool@gmail.com

مجید نظامی چیف ایڈیٹر، رمیزہ نظامی پرنٹر پبلشر نے
ندائے ملت پریس سے چھپوا کر

قیمت شمارہ: 25 روپے

سالانہ -/2800 روپے۔ ششماہی -/1430 روپے

حمد باری تعالیٰ

زندگی بھر کی ریاضت کا ثمر بخشا ہے
دستِ قدرت نے مجھے دست ہنر بخشا ہے
جس کی چھاؤں میں ہوں، رزق مسلسل اترے
تیری رحمت نے وہ سرسبز شجر بخشا ہے
سیپ میں تو نے رکھا میری طلب کی خاطر
کیوں یہ سمجھوں کہ سمندر نے گہر بخشا ہے
اے جمیل اور حسیں! حسن عطا ہے تیری
کور چشموں کو اگر حسن نظر بخشا ہے
علم کی بھیک ہی مانگیں تو تجھی سے مانگیں
اس لیے تو نے ہمیں کاسۂ ہنر بخشا ہے
کائنات اس کے کسی کونے میں رکھ چھوڑی ہے
بے کراں ایسا مجھے دل کا نگر بخشا ہے
خوشبوئیں، ذائقے رکھے ہیں، کئی رنگوں میں
اور مٹی کو عجب تو نے اثر بخشا ہے
کشتِ دل رنج سے بنجر نہ کہیں ہو جائے
آبیاری کے لیے دیدۂ تر بخشا ہے
تیری صناعی، شویدا تری تخلیق سے ہے
تو نے ہر چیز کو انداز دگر بخشا ہے

واجدہ امیر۔ لاہور

نعت رسول مقبول ﷺ

قابل دید تھی رحمت کی ادا طائف میں
دی گئی سنگ زنوں کو بھی دعا طائف میں
اس کی خواہش تھی کہ پھیلائے حرا کی خوشبو
لے کے ایماں کی مہک پھول کھلا طائف میں
حق پرستی کی روایت کسے اچھی لگتی
عام تھی کذب پرستی کی وبا طائف میں
کیوں نہ بارگراں ہوں میں ستم گاروں پہ
اک فرشتے نے پیمبرؐ سے کہا طائف میں
خلق نادان تھی سمجھی نہ ہدایت کا پیام
ورنہ اس وقت نہ ہوتی وہ فضا طائف میں
بھر گئے کفش لہو سے، دل و جاں زخموں سے
حوصلہ پھر بھی شکستہ نہ ہوا طائف میں
ناامیدی ہے غلط نسل بشر سے گلزار
اس کی ہمت نے یہ پیغام دیا طائف میں

گلزار بخاری۔ لاہور

کرنیں

محمد صالم

نماز

([illegible])

تسبیح

33 بار سبحان اللہ
اللہ پاک ہے
33 بار الحمد للہ
تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں
33 بار اللہ اکبر
اللہ بہت بڑا ہے

دعائے قنوت:

تین رکعت نماز وتر کی آخری رکعت میں رکوع سے پہلے جو دعا پڑھی جاتی [illegible] قنوت کہتے ہیں جو اس [illegible]
اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونؤمن بک ونتوکل علیک ونثنی علیک الخیر ونشکرک ولا نکفرک ونخلع ونترک من یفجرک اللھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعی ونحفد ونرجو رحمتک ونخشی عذابک ان عذابک بالکفار ملحق۔

ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے بخشش مانگتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری بہت اچھی تعریف کرتے ہیں اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور الگ کرتے اور چھوڑتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے لیے ہی نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، اور تیری طرف دوڑتے ہیں اور خدمت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک تیرا عذاب کافروں کو ملنے والا ہے۔

سجدۂ سہو:

جب نماز میں کوئی واجب بھول کر رہ جائے یا اس میں تاخیر ہو جائے یا بھولے سے کوئی فرض آگے پیچھے ہو جائے تو نماز کے آخر میں تشہد کے بعد دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرتے ہیں اور [illegible] کر دوبارہ تشہد [illegible] کے ساتھ درود شریف اور دعا پڑھتے ہیں۔ ان [illegible] سجدوں کو سجدۂ سہو [illegible] ہیں۔ اگر بھول کو کوئی فرض چھوڑ دیا تو نئے سرے [illegible] سے نماز پڑھیں۔

نماز قصر:

مسافر چار [illegible] کے دو رکعتیں (فرض) پڑھتا ہے، اسے قصر کہتے ہیں۔ وتر، سنتوں اور نوافل میں قصر نہیں ہوتی۔

وہ ضعیف انسان ایک کونے میں پڑا سسک رہا تھا۔ آج انہونی ہوگئی تھی۔ جس بیٹے کو اس نے بڑی مشکل سے پال پوس کر جوان کیا تھا، اعلیٰ تعلیم دلائی تھی، اس کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے اپنی ضرورتوں کو ضبط کے پردے میں چھپا لیا تھا۔ جسے اس نے اُنگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا، اپنے کندھوں پر بٹھا کر کھلایا تھا۔ اپنی ذاتی ضرورتوں میں سے رقم بچا بچا کر پیسے جمع کر کے اس کی شادی کی تھی آج وہ اس کے سامنے کھڑا ہوگیا تھا۔ اپنے باپ کو آنکھیں دکھا رہا تھا اور اپنے باپ سے کہہ رہا تھا کہ آپ کو کچھ پتہ نہیں ہے۔ آپ کی سوچ پرانی ہے۔ آپ بات بات پر ہمیں ٹوکتے ہیں، بچوں کو اپنی مرضی سے کھیلنے کودنے سے روکتے ہیں۔ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ آپ والا دور نہیں رہا۔ اب ہر شخص اپنی مرضی سے زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ شکر کریں کہ ہم نے آپ کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے اولڈ ہوم میں نہیں بھجوایا۔

اس کا دل چھلنی چھلنی ہو رہا تھا۔ اولڈ ہوم بھجوانے کی بات کرنے والا بیٹا اس مکان میں رہ رہا تھا جسے اس کے باپ نے اپنی محنت اور خون پسینے کی کمائی سے بنایا تھا اور بیٹے کی شادی کے بعد اس کے نام کر دیا تھا۔ اس نے وہ مکان کرنا بھی کیا تھا وہ تو دو گز کے گھر میں رہنے کا انتظار کر رہا تھا جہاں اس کو کوئی جاہل نہیں سمجھے گا، جہاں اگر دل کو خوش کرنے والا کوئی نہیں ہوگا تو دل دکھانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ جس بچے کو اس نے بولنا سکھایا تھا وہ اب اس پر ہی برس رہا تھا۔ گستاخی کر رہا تھا اور اسے بتا رہا تھا کہ اسے کیا پتہ کہ دنیا میں کیسے رہا جاتا ہے۔ زمانے کے ساتھ کیسے چلا جاتا ہے۔ یعنی:

میری اُنگلی پکڑ کر چلتے تھے
اب مجھے راستہ دکھاتے ہیں
اب مجھے کس طرح سے جینا ہے
میرے بچے مجھے سکھاتے ہیں

☆☆☆☆☆

وہ اپنے باپ کا فرماں بردار تھا۔ باپ نے بہت کوشش کی کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرلے لیکن وہ ایف اے سے آگے نہ پڑھ سکا۔ باپ نے اسے اپنے ساتھ ہی دکان پر بٹھا لیا۔ وقت اچھا گزر رہا تھا لیکن حاسدین کسی کو خوش کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے اسے باپ کے خلاف اکسانا شروع کر دیا۔ شروع میں اس نے ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی لیکن آہستہ آہستہ وہ ان کے فریب میں آنے لگا۔ شادی کے بعد بیوی اور سسرالی رشتہ داروں نے بھی اسے بھڑکانا شروع کر دیا کہ تمہارا باپ تمہارے ساتھ ناانصافی کر رہا ہے۔ وہ دکان کی آمدن سے تمہیں معقول حصہ نہیں دیتا حالانکہ گھر کا سارا خرچ دکان سے ہی چل رہا تھا اور کھلا خرچ ہو رہا تھا۔ باپ نے کبھی ہاتھ نہیں روکا تھا لیکن بیٹا دوست اور دشمن کی تمیز کھو بیٹھا تھا اور باپ کے خلاف ہی جگہ جگہ باتیں کرنے لگا تھا اور پھر ایک روز اس نے برادری کے لوگوں کو جمع کر لیا۔ ان میں وہ لوگ بھی پیش پیش تھے جو بیٹے کو باپ کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ بیٹے نے سب کے سامنے باپ کی بے عزتی کر ڈالی کہ یہ ہمارے ساتھ ناانصافی کرتا ہے۔ میرے بیوی بچوں کے لئے معقول خرچ نہیں دیتا۔ باپ یہ سب سن کر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور اس نے اسی وقت دکان کے کاغذات لا کر بیٹے کے حوالے کر دیے کہ آج سے دکان کے مالک تم ہو بیٹا، اور شاطر لوگ تو چاہتے ہی یہی تھے۔ بظاہر بیٹا کامیاب ہوگیا تھا لیکن سوچنے کی بات یہ تھی کہ کیا واقعی وہ کامیاب ہوگیا تھا۔ ایسے بیٹوں کے لئے پروین شاکر نے کہا تھا..... ع

تہمت لگا کے باپ پہ دشمن سے داد لے
ایسے سخن فروش کو مر جانا چاہئے

ایسے بہت سے واقعات پڑھنے اور سننے کو مل رہے ہیں۔ ایسے واقعات بھی سامنے آئے کہ چند روپوں یا جائیداد کی خاطر نہ صرف باپ پہ ہاتھ اٹھا دیا بلکہ ناخلف بیٹے نے باپ کو جان سے مارنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ایسے افسوسناک واقعات بڑھنے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ماں باپ کو اپنی اولاد کی عمدہ تربیت پر بھی توجہ دینی چاہئے لیکن اگر قصور صرف ماں باپ کا ہوتا تو حضرت آدمؑ کا بیٹا قابیل اور حضرت نوحؑ کا بیٹا نافرمان نہ بنتا۔

''پھول'' کا ''باپ نمبر'' شائع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ نئی نسل کو والدین کے حقوق سے آگاہ کیا جائے اور انہیں احساس دلایا جائے کہ ان کی دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ والدین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں۔ ماں کے علاوہ باپ بھی آپ کی خدمت اور محبت کا حقدار ہوتا ہے اور وہ جنت کا دروازہ ہے اس لیے اسے نظر انداز نہ کریں۔ جب آپ کے ماں باپ بڑھاپے کی طرف مائل ہوں تو ان سے اپنی طاقت اور ہاتھ علیحدہ نہ کرنا، ان کے لیے رحمت کا سایہ بنے رہنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہر چیز حاصل ہو جائے لیکن یہ حسرت رہ جائے کہ ان کی خدمت نہیں کی۔ پھر اس کا مداوا نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا وقت کو غنیمت جانیں۔ جن کے والدین زندہ ہیں وہ ان کی بھرپور خدمت کریں اور جن کے والدین وفات پا چکے ہیں وہ ان کے لئے استغفار اور ایصال ثواب کریں اور نیک اعمال کر کے ان کے لئے صدقہ جاریہ بن جائیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو ہم سمجھیں گے کہ ''باپ'' نمبر شائع کرنے کا ہمارا مقصد پورا ہوگیا۔

پیارے پھول ساتھیو! ''باپ نمبر'' کے لئے ہمیں بہت سی تحریریں موصول ہوئیں۔ بہت سے مستقل سلسلے روک کر بھی وہ سب شائع نہیں ہو سکیں۔ بہت جلد پھر ''باپ نمبر'' شائع کیا جائے گا۔ اس کے لئے آپ اپنی تحریریں بھجوا دیں۔ اس کے علاوہ اگست میں ''آزادی نمبر''، ستمبر میں ''یوم دفاع نمبر'' اور آئندہ ''ماں نمبر'' اور ''طنز و مزاح نمبر'' بھی شائع کیے جائیں گے ان کے لئے بھی اپنی تحریریں بھجوا دیں۔

برکتوں اور رحمتوں والے ماہ صیام کی آمد ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ماہ مبارک کو پوری دنیا، عالم اسلام اور پاکستان کے لئے خیر و برکت اور مسلمانوں کی بخشش اور حصول رضائے الٰہی کا باعث بنائے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو پھر ملیں گے۔

محمد شعیب مرزا

آپ کا اللہ بیلی

حقوق والدین

میاں محمد سعید شاد

حقوق العباد میں حقوق والدین امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق سب سے مقدم ہیں۔ تارک دنیا بننا کمال نہیں بلکہ کامل وہ شخص ہے جو خالق اور مخلوق کا حق ادا کرکے دنیا سے جائے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا مخلوق میں سب سے بڑا ماں باپ کا حق یعنی ماں باپ کا حق ساری مخلوق سے اعلیٰ ہے۔

''اور ہم نے حکم دیا کہ حضرت انسان اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔۔۔ اور تو میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار ہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جاویں تو ان کو اُف بھی نہ کہو۔ یعنی مت جھڑکو اور نہ ان پر خفا ہو اور ان سے ادب سے بولو اور ان کے آگے اطاعت، فرمانبرداری اور خاکساری کا پہلو محبت سے جھکائے رکھو اور ان کے لیے دُعا کرو کہ اے پروردگار جس طرح پیار سے ان دونوں نے مجھ کو پالا تھا اسی طرح تو بھی ان پر رحم کر۔'' (قرآن پاک)

رب العزت نے مذکورہ احکام والدین کے حقوق کے آئینہ دار ہیں۔ ان میں اولاد پر غیر مشروط طور پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ ادب، تعظیم، محبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ اسلامی شریعت میں ماں باپ (اور خاص کر ماں) کو ازروئے ادب تعظیم، حرمت واطاعت وفرمانبرداری، دلدہی، عاجزی و نیاز مندی میں جو افضل مقام دیا گیا ہے غیر اسلامی ادیان میں ان کا شائبہ تک نہیں۔ حقوق العباد، قرابت داری اور صلہ رحمی میں ماں کا حق سب سے اعلیٰ ہے پھر باپ اور رشتہ دار (ترمذی، داؤد)

ماں باپ کے احسان میں یہ ضروری ہے کہ اولاد اپنے قول وفعل سے ان کو ایذا نہ پہنچائے۔ ماں باپ کو ایذا دینے والا عاق اور نافرمان کہلاتا ہے۔ ہر کام اور بات میں ان کی رضامندی کا خیال رکھیں۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کا نام ادب او[illegible]بت سے لے۔ ماں باپ سے تعظیماً اس طرح [illegible] اپنے آقا سے کرتا ہے۔ [illegible] چار بڑے گناہوں میں سرفہرست والدین کی [illegible]مانی ہے۔

خدا نے والدین کی نافرمانی تم پر حرام کی ہے (قرآن پاک واحادیث) ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ والدین میں کون زیادہ حقدار ہے۔ فرمایا ماں۔ پھر عرض کیا گیا۔ فرمایا ماں۔ پھر عرض کیا فرمایا ماں۔ پھر عرض کیا گیا فرمایا باپ۔ (ترمذی، داؤد، بخاری، مسلم از ابوہریرہؓ) ایک صحابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد کی خواہش ظاہر کی تاکہ اللہ اور رسول اکرم ﷺ کی خوشنودی بذریعہ شہادت کبریٰ حاصل ہو اور جنت میں اپنا مقام پاوے۔ فرمایا ماں زندہ ہے؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمان نبوی ﷺ ہوا کہ اپنی ماں سے چپٹے رہو۔ جنت ماں کے پاؤں تلے ہے۔ اگر ماں زندہ ہے تو حج کے واسطے بھی یہی دلیل ہے کہ ماں کی خبر گیری کی جاوے۔ ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے کبیرہ گناہ تک معاف ہو جاتے ہیں۔ (نسائی۔ داؤد) ایک صحابیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔ میرے لیے کوئی توبہ ہے؟ فرمایا ہاں۔ کیا تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا خالہ زندہ ہے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اس کے ساتھ حسن سلوک (نیکی) کر۔ یہی اس گناہ کی توبہ ہے، ماں مشرک اور کافر بھی ہے تو بھی اس سے بھی نیک سلوک کر (مسلم، بخاری) ماں باپ کی خدمت کے لیے ہر وقت ان کی محبت میں ادب، تعظیم اور محبت سے مستعد رہے۔ واجبات والدین کے حکم سے ترک نہیں کیے جاسکتے۔

جو بیٹا ماں باپ سے نیکی کرنے والا، ماں باپ کی طرف محبت اور عاجزی کی نظر سے دیکھے اللہ تعالیٰ اس کے حساب میں ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب لکھتا ہے۔ عرض کیا گیا اگرچہ دن میں سو مرتبہ دیکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''خدا بزرگ و برتر ہے۔ وہ سو مقبول حج کا ثواب پائے گا''۔ (بیہقی، شعیب الایمان، مشکوٰۃ از حضرت عبداللہ بن عباس) ''اپنے نفس مال کو والدین سے [illegible] اقربا سے [illegible] سلوک کرنے میں [illegible] وسعت ہوتی ہے۔ (بخاری، مسلم [illegible])

حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ''میرے پاس مال ہے اور میرے ماں باپ میرے مال کے محتاج ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ملک (ملکیت) ہے۔ تمہاری اولاد تمہاری پاک کمائی ہے''۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے باپ سے راوی ہیں ''ابوداؤد'' ''والدین کا فرمانبردار جہنمی نہ ہوگا۔ جو شخص والدین کا حق ادا کرنے میں خدا کا مطیع ہوگا اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک زندہ ہوتا ہے تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔'' ''عرض کیا گیا اگرچہ والدین اس پر ظلم کریں''۔ فرمایا ''اگرچہ والدین اس پر ظلم کریں۔ اگرچہ والدین اس پر ظلم کریں۔'' (حضرت عبداللہ ابن عباس بیہقی)

''اگر والدین گناہوں کے عادی ہوں یا کسی بدعقیدہ میں گرفتار ہوں تو ان کو نرمی اور اصلاح وتقویٰ سے صحیح عقیدہ پر لانے کی کوشش کرتا رہے''۔ (خازن) ''غیر مسلم ماں باپ کے واسطے بھی ادب ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ان کے لیے ہدایت وایمان کی دُعا کرے۔ یہی ان کے حق میں رحمت ہے''۔ ''اے اللہ مجھے اور میرے والدین کو بخش دے۔''

ابا

ابا ہمارے جیتے رہیں
خوش ہو کر ہم یہی کہیں
دیتے ہیں وہ خوشیاں ہم کو
اور مزے ہم کرتے رہیں
اللہ ان کی عمر بڑھائے
سارے دعائیں کرتے رہیں
ڈانٹ لیں ہم کو جتنا چاہیں
اور ہم پھر بھی اُف نہ کہیں
عزت شہرت ان کے دم سے
ان سے دعائیں لیتے رہیں
ساری خوشیاں ان کے دم سے
چشمے الفت کے ہیں بہیں
ابا ہمارے جیتے رہیں
خوش ہو کر ہم یہ ہی کہیں

ثنا عائشہ، پسرور

"روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا"۔

صیام

عائشہ جمشید

روزہ اسلام کا تیسرا بڑا رکن ہے۔ عربی زبان میں روزے کو صوم کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب "رکنا" اور چپ رہنا ہے۔
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:۔
"جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں"
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر 12 میں سے ایک مہینے کے روزے فرض کیے ہیں وہ ایک مہینہ رمضان المبارک کا ہے۔ رمضان کا مہینہ روزے رکھنے کے لیے مخصوص ہے۔ مسلمانوں کو روزے

"جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں"۔

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے کہ ان پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے ہوئے"۔

رکھنے کا حکم ہجرت کے دوسرے سال میں نازل ہوا تھا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔
"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے کہ ان پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے ہوئے"
اس کے بعد سے آج تک تمام مسلمان ہر سال رمضان المبارک میں سحری کھا کر طلوع فجر کے وقت روزے کی نیت کرتے ہیں اور غروب آفتاب تک کھانے پینے اور بعض دوسری چیزوں (لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ) وغیرہ سے رکے رہتے ہیں۔
رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:۔
"جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو خدا کو اس بات کی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے"۔
اس حدیث مبارک سے یہ بات واضح ہے کہ روزے کے مقاصد میں سب سے اہم یہ ہے کہ مسلمان برائیوں کو چھوڑ کر نیک اعمال کریں۔ یعنی جو مسلمان روزہ دار ہوتے ہوئے بھی گناہوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا تو [illegible] روزہ [illegible] حیثیت فاقے کی سی ہو گی۔ رمضان المبارک [illegible] برائیوں

سے دور رہنے کی خاص ہدایت اس لیے کی گئی ہے تاکہ اس مبارک مہینے میں نیک اعمال کرنے اور برائیوں سے دور رہنے سے مسلمانوں کو اس کی عادت پڑ جائے اور وہ باقی کے گیارہ مہینے بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزار سکیں۔
رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام تعلیمات مسلمانوں تک پہنچا دی ہیں جن پر عمل کر کے ہم سیدھی راہ پر چل سکتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ماہ رمضان کو عظمت اور برکت والا مہینہ قرار دیا اور فرمایا کہ "اس مہینے میں ایک رات ایسی ہے (شب قدر) جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے"۔
آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ "رمضان ایک ایسا مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ بخشش ہے اور آخری حصہ دوزخ سے آزادی ہے"۔
رمضان المبارک میں اچھے کاموں کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں کی جانے والی نیکی کا ثواب اس نیکی کی نسبت جو سال کے دوسرے دنوں میں کی جاتی ہے سے بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے ہر روزہ دار جو زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھ کر زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی کوشش کرے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرے، نماز تراویح ادا کرے، بیماروں کی تیمارداری کرے یہ سب وہ کام ہیں جو بے پناہ ثواب کا باعث بنیں گے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا"۔
ہر روزہ دار کے [illegible] کہ وہ اپنا [illegible] صرف اللہ تعالیٰ کے لیے رکھے تا[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] وہ [illegible] جس [illegible] کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

والدِ محترم کی وفات پہ

جو مہرباں تھا دھوپ میں سایا چلا گیا
صحرا میں چھوڑ کر مجھے تنہا چلا گیا
میری نظر ہے آج پریشان ہر ایک پل
پیارا تھا آنکھ کو جو نظارہ چلا گیا
جس کی محبتوں سے ہر ایک غم بھر گیا
سب سے وہ مہربان مسیحا چلا گیا
میری ہر اک تمنا تھی جس کی گود میں
وہ دل کشادہ جانِ تمنا چلا گیا
تھی جس کے اعتماد سے شاداب زندگی
وہ مسکرانے والا سہارا چلا گیا
ماتھے پہ جس کے پیار سے کھلتا رہا نصیب
گلزار زندگی سے وہ جھونکا چلا گیا
یہ اس کی چاہتوں کی عظیم اک دلیل ہے
مجھ کو سمیٹ کر وہ بکھرتا چلا گیا
اب کون سر پہ ہاتھ رکھے گا میرے دیا
دیتا جو تھا غموں میں دلاسا چلا گیا

سعدیہ مبارک (دیا جیم) قتی

بے بسی

خالی ہاتھوں والا بابا!
اپنے ترسے بچوں کو
خواہش لا کر کیسے دے گا؟
ہاں! کچھ دے گا تو بس اتنا
بے بنیاد سے جھوٹے خواب
اچھے کل کی ایک تسلی
بھیگی آنکھوں سے اک [illegible]
پیچھے جھکا۔۔۔۔۔

ریحان بشیر شاد

شہید پاکستان حکیم محمد سعید

ابا جان

ابا جان کو مہمان نوازی کا بہت شوق تھا۔ امی جان جب کھانا خود پکاتیں تو مٹر کے دانے نکالنا، شامی کباب بنانا یا سبزی کاٹنا ہم بچیوں کے حصہ میں آتا۔ بینگن کاٹتے ہوئے امی جان بتاتیں "بینگن نے کہا کہ اگر کوئی متواتر مجھے چالیس روز تک کھائے تو نابینا ہو جائے۔ بینگن کی ڈنڈی فوراً بولی کہ اگر میں نہ ہوں تو؟ مطلب یہ کہ بینگن کے ساتھ اس کی سبز ڈنڈی ضرور پکائیں۔"

میں اپنی بچیوں کو سمجھاتی ہوں کہ تمہارے نانا ابا تو پوری قوم کو اخلاق کا درس "آواز اخلاق" کی تحریک سے دے گئے۔

مجھے ابا جان بھی بہت یاد آتے ہیں اور باتوں کے ساتھ ان کی سادگی، شفقت اور محبت بھی یاد آتی ہے۔ ابا جان نے جس طرح اپنی زندگی کو انسانوں کی خدمت کے لئے وقف کیا تھا، میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی اپنی زندگی اسی سانچے میں ڈھالوں۔ ابا جان کی خواہش بھی یہی تھی۔ جب ابا جان نے مجھے دفتر میں بٹھانا شروع کیا تو فرمایا۔ "یہاں میں ابا جان نہیں ہوں اور تم ہمدرد کی کارکن ہو۔ تمہیں ہمدرد کو سب سے زیادہ اہمیت دینی چاہئے۔"

امی جان اور ابا جان دونوں ہی ہمیں اچھے انسان بنانا چاہتے تھے۔ ایسے انسان جو اپنے سے زیادہ دوسروں کی بھلائی کے لئے کام کریں۔ میری کوشش بھی یہی رہی ہے کہ میری بچیاں بھی ایسی اخلاقی خوبیوں سے مالا مال ہوں۔ نونہالو! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ سب بھی بہت اچھے انسان بنیں۔

آبروئے صحافت جناب مجید نظامی

برفی کا ذائقہ

مجید نظامی اڑھائی برس کے تھے جب سانگلہ ہل میں ایک ایسی شام اتری کہ جب قبرستان میں ایک اور قبر کا اضافہ ہوگیا۔ بچپن کی شگفتگی محو گریہ ہوگئی۔ معصوم دل تو فرط الم سے شق ہونا بھی نہیں جانتا تھا لہٰذا ہوا کے گرم جھونکوں میں چراغ جلتا رہا اور سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا کم سنی یتیمی میں آغاز سفر کر بیٹھی مگر شگفتگی کی جگہ افسردگیوں کا حصار قائم رہا۔ باپ کا تصوراتی ہیولہ ہلکی پھلکی "بادنسیم" کی طرح شاخ حیات پر کھلے ہوئے ہر پھول میں تر و تازہ رہا۔ کیونکہ کسی کے خوشنما ہاتھوں کا احساس تھا جو مجید نظامی کے بے مزا اور تلخ ذائقوں میں مٹھاس گھولتا رہا۔

بیتے ہوئے دنوں کے قدموں کی آہٹ مجید نظامی کو چشم زدن میں سبک رفتار ... اس ... تک لے جاتی ہے جہاں شفقت پدری میں دھڑکتے دل کے ساتھ مضطرب انگلیاں انہیں نیند سے پہلے "برفی" کھلایا کرتی تھیں۔ زندگی کی بڑھتی ہوئی شورشیں سہانے خواب محو کر دیا کرتی ہیں مگر مقدس روحوں کا خیال زندگی کی شوریدہ سری میں بھی خستہ پا نہیں ہوتا۔ چودھویں کا چاند اپنی جملہ تابانیوں کے ساتھ طلوع ہو کر رہتا ہے لہٰذا مجید نظامی کے اہتمام طعام و دہن کے جملہ لوازمات میں "برفی" کے ٹکڑے ہمیشہ موجود رہے جو روز و شب کے تلخ موسموں کے شدتوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے احساس میں "شہر پناہ" بن جایا کرتے تھے۔

مجید نظامی کے والد مرحوم صابن بنانے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ ان کی قید حیات اس طرح پوری ہوئی کہ صابن بھی خود بناتے اور مارکیٹنگ بھی خود کیا کرتے تھے۔ بڑے لوگوں کو "کام" اور "بیداری" میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ مجید نظامی کا بھی آج بھی شیوہ حیات ہے۔ والد کے ساتھ مختصر مگر معصوم رفاقت و محبت کو وطن کی مٹھاس "برفی" کی طرح اور آلائشوں سے پاک معاشرے کی ضرورت صابن کی "تندی" کی طرح محسوس ہوتی رہی۔

ماں باپ تو دراصل پرندوں کی طرح ہوتے ہیں اور اڑ جاتے ہیں مگر بچوں کے دل کے دروازے کھول کر انہیں سچائی کے راستوں سے آشنا کر جاتے ہیں۔ دو آنکھیں دیے کے طرح بجھ کر بھی روح کی عمیق گہرائیوں کو ... ہیں۔

("مجید نظامی کی کہانی ان کی زبانی" ...)

عظیم بیٹے۔ خوش نصیب باپ

شیخ عبدالحمید عابد

حیدر علی

ٹیپو سلطان ریاست میسور کے حکمران حیدر علی کے ہاں 20 نومبر 1750ء کو دیوان ہلی کے مقام پر پیدا ہوئے۔

حیدر علی ناخواندہ تھے لیکن اس کے علاوہ ان میں بے شمار خوبیاں تھیں۔ غیر معمولی ذہانت کے علاوہ وہ تمام جنگی چالوں کے بھی ماہر تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ ایک معمولی عہدے سے ترقی کرتے ہوئے ریاست میسور کے حکمران بنے لیکن اس کے باوجود وہ خود میں تعلیم کی کمی محسوس کرتے چنانچہ اس کمی کو انہوں نے اپنے بیٹے ٹیپو سلطان کے ذریعے دور کرنے کا عہد کیا۔

سب سے پہلے بیٹے کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرایا۔ اس وقت کے مشہور علماء سے مذہبی تعلیم دلوائی۔ بعد میں چند علاقائی اور غیر ملکی زبانوں میں بھی مہارت دلائی۔ ٹیپو سلطان نے اردو، فارسی، مرہٹی، فرانسیسی اور انگلش زبانیں سیکھیں۔ ذرا بڑا ہوا تو والد نے ٹیپو کو تیر اندازی، نیزہ بازی، تیراکی، تلوار زنی، بندوق، توپ، گھڑ سواری، شکار اور خونی درندوں سے لڑنے جیسی فنی مہارتوں سے

روشناس کرایا۔

حیدر علی نے بیٹے کی تربیت کے لیے اس وقت کے مشہور اور تجربہ کار جنگی ماہرین کی خدمات حاصل کیں جو اچھے جرنیل بھی تھے۔

ٹیپو سلطان کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ ایک دن ٹیپو اپنی لائبریری میں بیٹھا مطالعہ کر رہا تھا کہ اس کے والد اچانک لائبریری میں داخل ہوئے۔ بیٹے کو آنے کی خبر نہ تھی۔ باپ نے جب بیٹے کو مطالعہ میں مصروف دیکھا۔ بہت خوش ہوا اور کہا "میرے بیٹے! نظام حکومت چلانے کے لیے صرف کتابیں ہی کافی نہیں بلکہ تمہیں تلوار چلانے میں بھی مہارت ہونی چاہیے۔ میرے سامنے وعدہ کرو کہ وطن کی حفاظت کے لیے جان دینے سے دریغ نہ کرو گے۔"

باپ کی اس نصیحت نے بیٹے کی زندگی بدل کر رکھ دیا۔

صرف 15 سال کی عمر میں جنگوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

4 مئی 1799ء کو ٹیپو سلطان سرنگا پٹم میں بڑی جواں مردی سے انگریزوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔ انگریز اس کے وطن میں گھس آئے تھے اور اُس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے مگر وہ اپنے وطن کی ایک انچ زمین بھی غیروں کو دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ اپنے وطن سے دشمنوں کو نکال کر ہی دم لیتے مگر مصیبت یہ ہوئی کہ ان کے اپنے سپہ سالاروں نے انہیں دھوکہ دیا اور وہ دشمنوں سے مل گئے۔ وہ بڑی بہادری سے لڑے ان کے جسم پر بے شمار زخم آچکے تھے مگر وہ لہولہان جسم کے ساتھ دشمنوں سے لڑ رہا تھا آخر کار وہ گر پڑے۔ ان کے ہونٹوں سے یہ لفظ نکلے اے اللہ! تیرا شکر۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اپنے وطن کی حفاظت کرتے ہوئے مر رہا ہوں۔ ٹیپو سلطان نے شہادت کا درجہ حاصل کر کے آزادی کی پہلی اینٹ رکھ دی۔

جناح پونجا

قائداعظمؒ کے آباؤ اجداد کاٹھیاوار کے رہنے والے تھے۔ ان کے دادا پونجا کا [illegible] کا کاروبار تھا۔ [illegible] گئے تک بنتے اور اسے [illegible] کر گزر بسر [illegible]۔ [illegible] اور [illegible] ان بیٹے تھے۔ سب [illegible] چھوٹے بیٹے کا نام جناح پونجا تھا جنہیں سب جینا بھائی کہتے تھے۔ خاندان [illegible]

عظمت اور بڑائی جینا بھائی کی وجہ سے ملی۔ وہ بھائیوں میں سب سے زیادہ بلند حوصلہ، باہمت، محنتی اور ہوشیار تھے۔ روزگار کی تلاش میں کراچی آگئے۔

کراچی کے نیونہام روڈ کے ایک گھر وزیر مینشن میں 25 دسمبر 1876ء کی صبح جناح پونجا کے گھر بڑی دعاؤں کے بعد ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد علی رکھا گیا۔ جب پہلی بار کراچی میونسپلٹی کے پیدائشی رجسٹر میں اس کا نام لکھا گیا تو صرف اللہ ہی جانتا تھا کہ اب یہ نام برصغیر میں کروڑوں بار لکھا جائے گا اور دنیا کی تاریخ برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ اور آزادی کی تاریخ اس نام کے بغیر مکمل نہیں ہوگی۔

محمد علی کی عمر چھ سال ہوگئی تو والد کو اسے باقاعدہ تعلیم دلانے کی فکر ہوئی۔ کچھ عرصہ گھریلو تعلیم کے بعد محمد علی کو سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی میں داخل کرا دیا گیا۔ محمد علی کو پڑھنے کا بہت شوق تھا پوری پوری رات پڑھنے لکھنے میں مصروف رہتے۔

بیٹے کے علمی شوق اور اُسے اس قدر ہونہار اور کاروبار میں مددگار دیکھ کر باپ کے دل میں خیال آیا کہ اعلیٰ تعلیم کے لیے اسے سمندر پار بھیجا جائے۔

جناح پونجا کا ایک انگریز دوست فریڈرک لے کرافٹ تھا۔ جب محمد علی کے چہرے پر اس کی نظر پڑی تو اسے وہاں ایسی روشنی دکھائی دی جو بلند ہمت انسانوں کے چہروں پر ہوتی ہے۔ کمسن جناح کی ذہانت اور قابلیت سے متاثر ہو کر اس [illegible] کو مشورہ دیا کہ بچہ ہونہار ہے۔ اسے [illegible] ولایت بھیج کر قانون کی اعلیٰ تعلیم دلا[illegible]۔ وا[illegible] نے [illegible] علی کو لندن [illegible] یا۔ وہاں محمد علی نے [illegible] جوان [illegible] میں دا[illegible]۔ 20 سال کی عمر میں بیرسٹر بن [illegible] کراچی واپس لوٹے۔ کچھ عرصہ بطور وکیل کام کرنے

کے بعد با قاعدہ سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کی بھلائی، انگریزوں سے ان کی نجات اور آزادی کے لیے دن رات کوشش کی۔ آخر کار 1940ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا جلسہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی زیر صدارت ہوا۔ پاکستان کے مطالبے کی قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ اس طرح قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی

حیدر علی

انتھک کوششوں سے 14 اگست 1947ء کو آزاد وطن ''پاکستان'' ملا جس کی آزاد فضاؤں میں ہم سانس لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی برکتیں اس پر برستی رہیں گی۔ انشاء اللہ

صوفی نور محمد

صوفی نور محمد ایک شریف، نیک دل اور سچے انسان تھے۔ سب ہی ان کی نیکی اور نیک دلی کے قدر دان تھے۔ وہ جدھر سے گزر جاتے لوگ انہیں سلام کرتے اور ان کا احترام جی جان سے کرتے۔ ان کی نیکی اور بزرگی کی وجہ سے لوگ انہیں میاں جی کے لقب سے پکارتے۔ میاں جی نے ایک رات خواب دیکھا کہ ایک خوبصورت سفید کبوتر نہایت بلندی پر پرواز کر رہا ہے۔ اچانک یہ کبوتر آپ کی گود میں آ بیٹھا۔ آپ نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک بہت سعادت مند بیٹا عطا فرمائے گا جو شہرت دوام حاصل کرے گا۔

یہ بچہ 9 نومبر 1877ء کو پیدا ہوا۔ اس ہونہار بچے کا نام والدہ نے محمد اقبال تجویز کیا۔ واقعی وہ اسم با مسمّیٰ ثابت ہوا۔

جب اقبالؒ چار سال ... کا ... صوفی نور محمد ... کی تعلیم کی فکر ستانے لگی۔ وہ ... ان کا ... پڑھ لکھ کر کامیاب انسان بنے ... اور تربیت کے ... اچھا مسلمان بنے۔ ایسی تعلیم حاصل کرے جو اسے ایک کامیاب اور دین دار مسلمان بنا دے۔ انہوں نے کچھ دن بعد اپنے بیٹے کو مولوی سید میر حسن کی شاگردی میں دے دیا۔ مڈل اور میٹرک کے امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کرنے کے بعد ایف اے کے امتحان میں بہت اچھے نمبر حاصل کیے۔ اس موقع پر ان کے نیک دل ابا جان نے کہا:

بیٹے!'' میں نے تمہاری تربیت اور تعلیم پر جو محنت کی ہے میں تم سے اس کا معاوضہ چاہتا ہوں۔''

اقبالؒ نے حیران ہو کر پوچھا! ''ابا جان وہ کیا؟''۔

صوفی صاحب نے کہا'' بیٹے! میری محنت کا معاوضہ یہ ہے کہ پڑھ لکھ کر اسلام کی خدمت کرو۔''

پونجا جناح

''وعدہ کرو کہ وطن کی حفاظت کے لئے جان دینے سے دریغ نہ کرو گے۔''

پونجا جناح کے انگریز دوست نے قائد اعظم کے چہرے پر خاص روشنی دیکھی۔

''میری محنت کا معاوضہ یہ ہے کہ پڑھ لکھ کر اسلام کی خدمت کرو۔''

اقبالؒ نے سعادت مندی سے سر ہلایا اور دل میں عہد کیا کہ اپنے ابا جان کی یہ خواہش ہر حال میں پوری کریں گے۔

پڑھائی سے فارغ ہو کر لاہور میں وکالت شروع کی اور ساتھ ہی شاعری میں نام پیدا کیا۔ انہوں نے نوجوانوں کو شاعری کے ذریعے انسانیت کی خدمت و اتحاد اور اسلام کا درس دیا۔

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ نوجوانوں نے میری شاعری کو اسلام کا ترانہ بنایا۔ ذوق و شوق اور ولولے سے میرا کلام پڑھ کر ... مسلمان قوم ... آزادی کا جوش و جذبہ ... ہو ...

علامہ اقبالؒ ... والد کو ... لاہور سے ... بلا کر ... آئے۔ ایک دن ان سے پوچھا کہ والد بزرگوار آپ سے میں نے جو اسلام کی خدمت کا عہد کیا تھا وہ پورا کیا یا نہیں۔ باپ نے بستر مرگ پر شہادت دی کہ جان من! تم نے میری محنت کا معاوضہ ادا کر دیا ہے۔

پھر ایک والد نے ہی نہیں پوری دنیا نے دیکھا کہ آپ نے پوری دنیا کو شاعری کے ذریعے انسانیت کی خدمت کا درس دیا۔ آپ نے اسلام کی خاص طور پر خدمت ... مسلمانوں کو ... اور بھائی چارے کا درس دیا۔ ... مسلمانوں کے ... علیحدہ مملکت کا خواب آپ نے ہی ... دیکھا جس کی ... ہمیں 14 اگست 1947ء کو پاکستان ... کی صورت میں ملی۔

صوفی نور محمد

فاطمہ جناحؒ

اے قوم کی ماں اے قائدؒ کی ہمشیرہ
عالم میں ملتا نہیں کوئی ثانی تیرا
تیری بے لوث جو خدمات ہیں، انہیں سلام
تمہاری روشن خیالی کو تحسین، تمہیں سلام
اس بہشت کے ٹکڑے کے حصول میں خدمات تیری
اکرام تیرا مہربانی تیری، بے پناہ ہیں نوازشات تیری
بخشا یاسیت بھری اس قوم کو سہارا تو نے
زنجیر غلامی میں سے آزادی کی طرف پکارا تو نے
تیرا حوصلہ حوصلہ، فراخ، تیرا خلوص خلوص یکتا
ناامید تھے دل ہمارے، دیا تو نے ہمیں ولولہ

امجد اقبال مگھی۔ گیمبر

ڈاکٹر پرویز شہریار

اولیس جب نیویارک سے ڈاکٹر بن کے آیا تو اُس کے دس سال کے بیٹے طارق کے اندر بھی ٹھیک اُسی طرح کی بے چینی تھی، جس طرح آج سے کئی سال پہلے اولیس کے دل و دماغ میں چھائی رہتی تھی۔

میں نے اولیس سے پوچھا۔ ''یاد ہے وہ دن، جب ہم تمھاری ضد کے آگے مجبور ہو کر پہاڑ، جنگل، گاؤں میں سانپ دیکھنے گئے تھے؟''۔

اولیس نے کہا۔'' ہاں! ہاں! کیوں نہیں؟ کتنی بارش کا

اس کا بیٹا بھی باپ کے نقش قدم پر چل پڑا تھا۔

موسم تھا۔ جدھر دیکھیے ہر طرف کھیت میدان اور تالاب جل تھل ہو رہے تھے۔

ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔''

میں نے کہا، ''تم اپنی آنکھوں سے جنگل میں دوڑتے بھاگتے سانپ دیکھنا چاہتے تھے۔''

بہت پرانا واقعہ ہے۔

اولیس ، جاوید اور سمیرا تینوں بھائی بہن چھوٹے چھوٹے سے تھے۔ میری بھی عمر کوئی تیرہ چودہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ وہ بھی ممبئی سے جھارکھنڈ کے کسی دور دراز علاقے میں آدی باسیوں کا ایک چھوٹا سا گاؤں دیکھنے آئے تھے۔ وہاں سے ہم سب سانپ اور مینڈک ڈھونڈتے ڈھونڈتے دلمہ پہاڑ پر پہنچ گئے تھے۔ دراصل، اولیس کو بچپن سے ہی ڈاکٹر بننے کا بہت شوق تھا۔ اس کے لیے وہ کسی مینڈک کا پیٹ چاک کر کے دیکھنا چاہتا تھا کہ اُس کے اندرونی اعضاء یعنی آنت، معدہ اور دل وغیرہ کس طرح اپنا کام کرتے ہیں۔

ہم چاروں جیسے ہی گھر [illegible] کر کھیت میں پہنچے۔

ایک لمبی سی دھامن سانپ بل کھاتی اور پھنکارتی ہوئی کسی طرح سے اپنے بل میں گھسنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ سمیرا سب سے چھوٹی تھی۔ یہ سب دیکھ کے اُس کی چیخ نکل گئی تھی۔ اب تو وہ میرے پیچھے چھپنے لگی تھی۔ لیکن اولیس اور جاوید دونوں بھائیوں کو یہ منظر دیکھ کے بڑا مزہ آیا تھا۔ اصل میں وہ دھامن سانپ اپنی بھوک مٹانے کے لیے کھیت میں چوہے تلاش کر رہی تھی۔ ہمیں دیکھ کے اُسے خطرہ محسوس ہوا اور وہ وہاں سے فوراً بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔

ہم وہاں سے اور آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک کریت سانپ کیندو کے ایک پرانے درخت کی ٹہنی سے لٹک کے ہوا کے سرد جھونکوں کا لطف لے رہا تھا۔ اُس کا رنگ کالا اور چمکیلا تھا۔ اُس کے پورے بدن پر پیلے رنگ کی چتیاں بنی ہوئی تھیں۔ کہتے ہیں کہ ساون کے مہینے میں انسانوں کی طرح چرند و پرند بھی موسم کا بھرپور مزہ لیتے ہیں۔

جب ہم پہاڑ پر پتلی سی پگڈنڈی سے گزر رہے تھے تبھی کئی بار ایسا ہوا کہ سانپ ہمارا راستہ کاٹ جاتے تھے۔ اچانک، کسی سانپ کے ہمارے آگے سے گزر جانے پر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ابھی ان تمام ڈر اور خوف سے ہم دو چار ہو رہے تھے کہ اچانک ہماری نظر ایک کنکھال پر پڑ گئی۔ سمیرا ڈر سے رونے لگی۔ ''ماموں! وہ دیکھیے بھوت کی ہڈی۔ اب مجھے آگے نہیں جانا، مجھے گھر لے چلیے۔'' اُس کی تو گھگھی بندھ گئی تھی مگر بڑی مشکل سے ہم نے چُپ کرایا۔ اس طرح، جنگل اور پہاڑ کا ہمارا سفر وہیں ختم ہوا اور ہم [illegible] طرف واپس [illegible] پڑے۔ ساون کے

موسم میں کبھی تیز دھوپ نکل آتی تو کبھی کالے کالے بادل چلے آتے تھے۔

راستے میں، میں نے بچوں کو بتایا۔ ''جب آدی باسی بوڑھے ہو جاتے ہیں اور موت کے قریب ہوتے ہیں تو غر[illegible] ابھی اپنے بزرگوں کا علاج نہیں کرا [illegible]تے۔ ایسے [illegible] وہ اُنھیں اس اُمید پہاڑ پر چھوڑ [illegible]تے ہیں کہ اگر وہ دوبارہ صحت مند ہوگیا تو وہ خود

ڈاکٹر پرویز شہریار

ڈاکٹر پرویز شہریار بھارت کے ایک بڑے میڈیا گروپ کے پبلی کیشن ڈیپارٹمنٹ کے ایڈیٹر ہیں کچھ عرصہ قبل ان سے شعیب بن عزیز صاحب کے دفتر میں ملاقات ہوئی تو انہیں ''پھول'' پیش کیا تھا۔ جون کا شمارہ نیٹ پر پڑھ کر انہوں نے ان جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہانی بھجوائی ہے ''میری خواہش ہے کہ میں بھی پاکستانی بچوں کے لئے سبق آموز کہانیاں لکھوں اور ماہنامہ ''پھول'' میں شائع کرواؤں تاکہ ہماری ملت اور قوم کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے ملک و قوم کا نام روشن کر سکیں۔''

سید پرویز احمد ڈاکٹر پرویز شہریار کے نام سے لکھتے ہیں۔ وہ 10 جنوری 1962ء کو جمشید پور میں پیدا ہوئے۔ پی ایچ ڈی اور کئی ڈپلومے کیے۔ ان دنوں نئی دہلی انڈیا میں مقیم ہیں۔ 1980ء سے اُردو فکشن سے تخلیقی سفر کا آغاز کیا۔ ان کا افسانوی مجموعہ ''بڑے شہر کا خواب'' شعری مجموعہ ''بڑا شہر اور تنہا آدمی'' اور ایک تحقیقی و تنقیدی کتاب شائع ہو چکی ہے۔ بچوں کی کہانیوں اور ایک اسٹیج ڈرامے کے تراجم کر چکے ہیں۔ ان کی چند کتابیں زیرِ طبع ہیں۔ ''پھول'' میں ان کی آمد پر ہم انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اُمید ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ (مدیر)

سے چل کے گاؤں واپس لوٹ آئے گا۔ ورنہ موت اُسے اپنا شکار بنا لے گی۔ اسی وجہ سے وہاں کچھ کھانا اور پانی بھی رکھ دیتے ہیں۔ لیکن انسان اگر زندگی کی جنگ ہار جاتا ہے۔ تو چیل کوے اور گدھ اسے نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ یہی اس کا مقدر ہوتا ہے۔''

یہ دردناک بات سن کر اویس سنجیدہ ہوگیا تھا۔ مجھے یاد ہے، تب اویس کے دل سے یہ آواز آئی تھی۔ ''ماموں! میں بڑا ہو کر ایسا ڈاکٹر بنوں گا جو بوڑھے لوگوں کو مرنے نہیں دے گا۔ میں انھیں مرنے سے بچاؤں گا۔''

وہ دن ہے اور آج کا دن، اویس نیویارک سے ہارٹ سرجن بن کر آیا ہے۔ اللہ نے اس کے ہاتھوں میں ایسی شفا دی ہے کہ وہ اب تک نا جانے کتنے مریضوں کا علاج کر کے انھیں موت کے منہ سے باہر نکال چکا ہے۔

''ماموں وہ بات یاد ہے؟ جب ہم نے مینڈک کا آپریشن کیا تھا۔'' اویس نے مجھ سے پوچھا۔

''ہاں! کیوں نہیں۔ مجھے تو وہ بھی یاد ہے کہ اس کی باریک سی آنت کئی ہاتھ لمبی تھی جسے دیکھ کے تم حیران ہوگئے تھے۔ اتنے چھوٹے سے جانور کی اتنی لمبی آنت کیسے ہوسکتی ہے۔'' اُس کے چہرے سے اس وقت اس کے بچپن کی خوشی صاف جھلکنے لگی تھی۔ ''اس کا دل کتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔'' اویس نے اس واقعے کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

اویس نے مینڈک کا آپریشن کر کے اسے سوئی دھاگے سے سلنے کے بعد اس کے چاروں ہاتھ پاؤں سے ڈرائنگ پن نکال کر اُسے آزاد کر دیا تھا۔ اتنے میں بارش تیز ہوگئی تھی اور ہم بھی اسے تالاب کے کنارے چھوڑ کر آدی باسیوں کی جھونپڑی کے اوٹ میں جا کر چھپ گئے تھے۔

ہم سب اس واقعے کو ابھی یاد کر ہی رہے تھے کہ ہم نے دیکھا، اویس کا بیٹا طارق نہ جانے کہاں سے ایک مینڈک پکڑ کر آیا۔ تبھی بیک وقت ہم سب کی زبان سے ایک ہی جملہ نکلا۔ ''لگتا ہے یہ بھی بڑا ہو کر ڈاکٹر بنے گا۔'' اس کے ساتھ ہی پورا ماحول قہقہوں کی آواز سے گونج اٹھا۔

☆☆☆

بریرہ آصف

باپ ایک محترم ہستی

باپ ایک ایسی عظیم ہستی ہے جس کی شفقت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ رسول کریم ﷺ نے باپ کو جنت کا دروازہ قرار دیا ہے اور باپ کی رضا کو خدا کی رضا قرار دیا ہے۔

باپ کی محبت و شفقت کو رسول کریم ﷺ کی عملی زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ کو اپنی چاروں بیٹیوں سے بے پناہ محبت تھی اور قیامت تک کے لئے رسول کریم ﷺ نے ایک باشفقت باپ کا عملی نمونہ پیش کیا اور باپ کو اولاد کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور اولاد کو باپ کا احترام کرنے کی تلقین کی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

''جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی پرورش کرے اور تعلیم دے کر ان کی شادی کرے تو وہ جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہوگا جیسے یہ دو انگلیاں۔''

آپ ﷺ کی محبت کے چند واقعات حضرت فاطمہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت اور محبت میں بیان کرتی ہوں۔

رسول کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی رخصتی کے بعد حضرت فاطمہؓ سے فرمایا میں چاہتا ہوں تمہیں اپنے پاس بلالوں۔ چنانچہ حضرت نعمان بن حارثہؓ نے آپ ﷺ کے گھر کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کے لئے گھر پیش کیا۔ یوں آپ ﷺ کی پیاری بیٹی آپ ﷺ کے قریب آ گئیں۔

ایک دفعہ رسول ﷺ بھوکے گھر سے نکلے انہیں راستے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے وہ بھی بھوکے تھے تینوں حضرت ابوایوبؓ کے کھجوروں کے باغ میں پہنچے۔ حضرت ابوایوبؓ نے کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کیا اور بکری کے گوشت کے کباب اور سالن بنوایا دسترخوان بچھایا گیا تو آپ ﷺ نے گوشت کا ایک ٹکڑا روٹی پر تھوڑا سا رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہؓ کو بھجوا دو انہیں کئی دنوں سے فاقہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی جس نے اسے دکھ پہنچایا اس نے مجھے دکھ پہنچایا۔''

آپ ﷺ کی عملی زندگی سے باپ کی محبت و شفقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ باپ ایک ایسی محترم ہستی ہے جو اپنا سب کچھ اولاد کے لئے قربان کر دیتا ہے اور اس کی خوشی اولاد کی خوشی میں ہی ہوتی ہے۔ باپ کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو باپ کا احترام کرنے اور اس کی خدمت کر[illegible] کی توفیق فرمائے اور ہم سب کو چاہئے کہ [illegible]م ہر نماز کے بعد [illegible]الدین [illegible]دعا [illegible]

جہاں آرا اشرف بٹ

کوئی رشتہ نہ ملا پھر تیری چاہت جیسا!

دنیاوی رشتوں میں والدین جیسا انمول، مضبوط، محبت بھرا اور سچا رشتہ کوئی اور نہیں ہے۔ والدین جیسے عظیم رشتوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے سال میں ایک ایک دن ماں اور باپ کے نام موسوم کیا جاتا ہے جنہیں عرف عام میں ''مدرز ڈے'' اور ''فادرز ڈے'' کہا جاتا ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا عقیدہ ہے کہ زندگی کی ہر ساعت معتبر اور محترم ہستیوں کی خدمت اور فرماں برداری میں گزار دی جائے تو بھی ان کا حق ادا نہیں ہوتا۔ ماہ جون کی آمد کے ساتھ ہی دھیان از خود ''فادرز ڈے'' کی جانب چلا جاتا ہے جسے ہر سال کی طرح اس سال بھی دنیا میں بڑے تزک و اہتمام کے ساتھ منایا گیا۔ یہ رسم دنیا، اظہار محبت اور تحفے تحائف اپنی جگہ مگر سچ پوچھیں تو لاکھ کوشش کر کے بھی کوئی بیٹا یا بیٹی باپ جیسی ہستی کو اس کے شایان شان خراج پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہی وہ شخصیت ہے جو اولاد کے سکھ، خوشحالی، تعلیم، صحت، پرورش اور روشن مستقبل کی خاطر اپنی زندگی سخت محنت کرتے گزار دیتی ہے۔ صبح سے شام رزق کی خاطر صعوبتیں برداشت کرنے اور پھر بچوں کو دیکھتے ہی اپنی تھکن بھول کر ان کی ناز برداریاں کرنا والد کا ہی خاصہ ہے۔

باپ کا وجود بچوں خصوصاً بیٹیوں کے لئے سایۂ عاطفت ہے۔ انہیں باپ ہی کے توانا وجود سے تحفظ، حوصلہ اور خود اعتمادی ملتی ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ باپ کی بھرپور توجہ اور محبت حاصل کرنے والے بچے دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ خود اعتماد اور کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔ دنیا کا ہر باپ اپنی اولاد سے محبت اور اُنسیت رکھتا ہے مگر زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ نازوں پالی اولاد جوان ہو کر باپ کو اس جیسی محبت دینے سے عاجز رہتی ہے۔ شاید اسی لئے کسی دانا نے کہا ہے کہ ''اکیلا باپ دس بچے پال لیتا ہے مگر دس بچے مل کر ایک باپ کو نہیں پال سکتے''۔ یہ بھی ایک کڑوی حقیقت ہے کہ ہم والدین کی محبتوں کا عشر عشیر بھی نہیں لوٹا سکتے بلکہ بڑھاپے میں انہیں بوجھ سمجھنے لگتے ہیں جبکہ دین ہمیں سکھاتا ہے کہ ماں کے قدموں تلے جنت تو باپ کی رضا میں اللہ کی خوشنودی پوشیدہ ہے۔ ''فادرز ڈے'' منانا اگرچہ ایک روایت ہے مگر اس میں بھی یہ خیال رکھیں کہ محض ایک دن ان کی محبت کا حق ادا نہیں کر سکتا بلکہ اس ایک دن سے آپ یہ جان سکتے ہیں کہ آپ کو اپنے والد محترم کے ساتھ محبت، پیار، خلوص اور خدمت کا جذبہ اپنانا ہوگا تاکہ ان کی محبت کا کچھ تو قرض ادا ہو جا[illegible] ج ہم [illegible] اور درخت کی مانند ہیں تو یہ ان [illegible] کی بدولت [illegible] ہے جن پر بیٹھ کر ہم نے دنیا دیکھی [illegible] زمانے کے سرد و گرم سے آشنا ہوئے۔

والد صاحب غلام جیلانی کی یادیں

بیٹی سلمیٰ جیلانی کے قلم سے

سلمیٰ جیلانی

پھول میگزین کی اس اشاعت خصوصی کے موقع پر اپنے والد کچھ یادیں پیش کرنا چاہتی ہوں۔

میرے ابو غلام جیلانی جب نوجوان تھے لکھنؤ میں ڈگری حاصل کرنے کے بعد بڑی شان سے سوٹ بوٹ میں فوڈ انسپکٹر کی ذمہ داری نبھا رہے تھے۔

ان کی کہانیاں لکھنؤ کے ادبی میگزینز میں شمیم ہاشمی کے نام سے شائع ہو رہی تھیں خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور ان کی ہمعصر افسانہ نگار تھیں

لکھنؤ کانوینٹ اسکول سے انٹرنس کیا تھا۔ ابھی سولہ برس کے ہی تھے کہ ان کی شادی کر دی گئی۔

بہن بھاؤں میں سب سے چھوٹے ہونے کی وجہ سے بھی اور کچھ اپنے رنگ و روپ پر بھی بڑا ناز تھا۔

بچپن میں جب دادا ابا انہیں اپنے ساتھ کہیں لے جاتے تو لوگ ہاگ پوچھتے ضرور تمہاری گھر والی

غلام جیلانی

کوئی انگریز ہے جبھی یہ بیٹا اتنا خوبصورت ہے

غرض زندگی بڑے مزے میں گزر رہی تھی کہ پاکستان کی تحریک شروع ہوئی۔ ابو مسلم لیگ کے سرگرم کارکن بن گئے۔ دن رات جلسے اور جلوسوں کی نذر ہونے لگے جب پاکستان بن گیا تو بڑے بھائی کراچی چلے گئے۔ پاپا دادا دادی اور بیوی کے ساتھ اکیلے رہ گئے انہیں لکھنؤ سے بہت پیار جو تھا۔ اب یہاں سب کچھ ویسا نہیں رہا تھا بہت کچھ بدل چکا تھا اسی طرح [illegible] یہاں گزر [illegible] بیٹا (بڑے بھائی صاحب) [illegible] نے [illegible] تھا

ایک دن گھر آیا تو بولا ہمیں بندے ماترم کا ترانہ لازمی پڑھنا پڑتا ہے اور اردو کی جگہ ہندی نے لے لی ہے

ابو فکر مند ہو گئے انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ پاکستان جائیں گے۔ سب کو لے کر ٹرین کے ذریعے کھوکھرا پار کے راستے جو بند ہونے ہی والا تھا کراچی کے لئے عازم سفر ہو گئے۔

راستہ میں ایک لمبا سفر پیدل بھی طے کیا۔ ایک دلچسپ بات دادی کا سل بٹا بھی ساتھ تھا جسے ساتھ لے جانا ضروری تھا اگرچہ وہ ہلکا سا گلابی پتھر سے بنا سل بٹا پیدل چلتے ہوئے اتنا بھاری ہو چکا تھا کہ کئی بار ان کا جی چاہا اسے کہیں پھینک دیں مگر اپنی والدہ کی ناراضی کا خیال آڑے آ گیا اور اپنی پیاری اماں کو وہ بھلا ناراض کیسے کر سکتے تھے۔

کراچی پہنچ کر جٹ لائنز کی جھونپڑیوں میں جہاں بڑے بھائی پناہ لیے ہوئے تھے سر چھپانے کو جگہ ملی ابو کا حساس دل ٹوٹ گیا۔ انہیں اپنا حویلی نما مکان اور شاندار رہن سہن یاد آنے لگا لیکن پاکستان گھر تو آخر اپنا تھا۔

ابھی اسی جھٹکے سے سنبھلے نہ تھے کہ طوفانی بارش نے سب کہانیاں اور رجسٹر بہا ڈالے۔ یہی نہیں بیوی کو ایسا درد اٹھا کہ ایک ہی رات میں اللہ کو پیاری ہو گئیں اور میرے دادا جو پہلے ہی بیمار تھے دن میں وہ بھی چل بسے۔ ایک ہی دن میں دو پیاروں کے جنازوں کو کاندھا دینے کے بعد میرے ابو کی تو کمر ہی ٹوٹ گئی۔

پھر چھ ماہ بعد ہی ان کی اماں بھی زندہ نہ رہیں [illegible] چکے تھے

کئی سال بعد [illegible] بڑے بھائی نے ابو کی شادی ہماری امی سے کروا دی اور یوں وہ بس ذمہ داریاں نبھانے والے ابو بن کر رہ گئے۔ پہلے بڑے بھائی احمد اور پھر میں پیدا ہوئی اور پھر میری دو بہنیں یوں ہم چار بہن بھائی بھی ان کی زندگی میں شامل ہو گئے لیکن ان کو میں نے بامشکل کبھی ہنستے ہوئے دیکھا۔ ابھی میں بارہ سال ہی کی ہوں گی کہ وہ پارکنسن نامی بیماری میں مبتلا ہوئے اور پندرہ سال ایک تکلیف دہ وقت گزار اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

یوں تو ابو سے کچھ زیادہ سیکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن وہ

سلمیٰ جیلانی (معروف افسانہ نگار) آکلینڈ نیوزی لینڈ

ایک چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا تھے۔ دنیا بھر کی سائنسی، ادبی، اور دینی معلومات کے علاوہ انگریزی کے مشکل الفاظ اور ان کی اسپیلنگ ہم سب ابو ہی سے پوچھا کرتے تھے۔ آج بھی ان کی یادیں ہمارے دلوں میں بسی ہوئی ہیں۔ اور ہم ان کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

نذیر انبالوی

ابا جی کہتے تھے

وہ ایک ہی باپ کے بیٹے تھے لیکن......

کئی دنوں سے شدید گرمی کی لہر جاری تھی۔ درجہ حرارت 48 ڈگری سے تجاوز کر گیا تھا۔ بجلی کی لوڈشیڈنگ نے گرمی کے مارے لوگوں کے مسائل میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اس شدید گرم موسم میں ایک سکیورٹی کمپنی کی وردی پہنے رضوان بندوق ہاتھ میں لیے ایک بینک کے باہر کھڑا تھا۔ سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ بینک کے اندر تو کئی اے سی کام کر رہے تھے جس سے درجہ حرارت خاصا کم تھا۔ بینک میں ٹھنڈک پیدا کرنے والے اے سی جو گرم ہوا باہر پھینک رہے تھے اس سے باہر کا درجہ حرارت مزید بڑھ گیا تھا۔ رضوان کے منہ پر جب بھی گرم ہوا کا تھپیڑا پڑتا وہ چکرا کر رہ جاتا۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک سٹور کا سکیورٹی گارڈ الطاف بھی ایسی ہی صورت حال سے دوچار تھا۔ بینک کے سامنے جو گاڑیاں کھڑی تھیں اُن پر پڑنے والی سورج کی شعاعیں رضوان اور الطاف کی آنکھوں میں پڑ رہی تھیں۔ گرمی کے باعث انہیں کسی پل چین نہ تھا۔ رضوان کو پیاس محسوس ہوئی تو وہ پانی پینے کے لیے بینک کے اندر داخل ہوا تو ٹھنڈی ہواؤں نے اُس کا استقبال کیا۔ وہ کولر کی طرف بڑھا تو منیجر کی اُس پر نظر پڑی۔

''تم اندر کیا کر رہے ہو؟''۔

''وہ جی پانی پینے آیا ہوں۔'' رضوان نے کولر سے پانی لیتے ہوئے کہا۔

''اندر مت آیا کرو، پانی کی بوتل اپنے پاس رکھو، معلوم نہیں کہ آج کل حالات کس طرح کے ہیں، منہ اٹھا کر اندر آ گئے ہو، چلو فوراً باہر جاؤ۔'' منیجر نے رضوان کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

رضوان بغیر کچھ کہے بینک سے باہر آ گیا۔ گرم ہوائیں اُس کی منتظر تھیں۔ اس کے اور بینک میں کام کرنے والوں کے درمیان شیشہ ہی تھا۔ اندر موسم اور تھا اور باہر کچھ اور۔

☆☆☆

ایسا ہی ایک شدید گرم دن تھا جب وہ گھر سے [illegible] چھٹیوں میں ایک قریبی ٹیوشن سنٹر پڑھنے [illegible] تھا۔ گلی کے تین اور لڑکے بھی اس ٹیوشن [illegible] جاتے تھے۔ جب وہ رضوان سے ملے تو اُن میں سے ایک لڑکا توصیف بولا۔

''چلو آج نہر پر چلتے ہیں۔''

''ہاں وہاں ٹھنڈے پانی میں نہانے کا مزہ آئے گا۔'' رضا نے توصیف کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''وہ ٹیوشن۔'' رضوان اتنا ہی کہہ پایا۔

''ایک دن ٹیوشن پڑھنے نہیں جائیں گے تو کون سی آفت آ جائے گی۔'' شہزاد بھی بول پڑا۔

''بس اب انکار مت کرو آ جاؤ ہمارے ساتھ۔ نہر کا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ہمارا انتظار کر رہا ہے۔'' توصیف نے رضوان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

نہ چاہتے بھی وہ ان کے ساتھ ہو لیا۔ نہر پر ایسا لگ رہا تھا جیسے شہر بھر کے [illegible] وہاں آ گئے ہوں۔ رضوان پہلے پہلے گھبرایا مگر پھر آہستہ آہستہ اس کا خوف جاتا رہا۔ وہ دو تین گھنٹے وہاں نہاتا رہا۔ واپسی پر وہ گھبرا رہا تھا کہ اگر ابا جی کو پتہ چل گیا تو پھر کیا ہو گا۔ گرمی کے باعث گھر آنے تک کپڑے خشک ہو گئے تھے۔ وہ کھانا کھا کر خاموشی سے لیٹ گیا۔ پنکھے کی ہوا اُسے گرم لگ رہی تھی۔ چار بجے ابا جی آئے تو انہوں نے آتے ہی اُسے بازو سے پکڑ کر جھنجوڑا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ امی جان بھی گھبرا گئیں۔

''مجھے تم سے یہ اُمید نہ تھی۔''

''ہوا کیا ہے؟'' امی جان کچھ نہ سمجھ پائیں تھیں۔

''خود ہی پوچھ لو اپنے لاڈلے سے۔'' ابا جی نے رضوان کو گھورتے ہوئے کہا۔

''رضوان بولو کیا ہوا ہے؟'' امی جان نے پوچھا۔

''مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔'' رضوان بولا۔

''آج صبح گیارہ بجے تم کہاں تھے؟'' ابا جی نے پوچھا۔

''میں وہ ٹیوشن سنٹر میں تھا۔''

''اچھا تو تم ٹیوشن سنٹر میں تھے اور وہ نہر میں کون نہا رہا تھا، جھوٹ مت بولو، تم حیران ہو رہے ہو گے کہ یہ سب کچھ کس نے مجھے بتایا ہے، ہمارے دفتر کا نائب قاصد تمہیں پہچانتا ہے۔ وہ نہر کے قریب سے گزر رہا تھا اُس نے تمہیں نہر میں نہاتے دیکھا تھا۔ مت کھیلو اپنے مستقبل سے، اپنا وقت برباد مت کرو، یہ وقت گزر گیا تو سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔'' ابا جی بولتے رہے اور رضوان خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر ایسی باتیں اکثر گھر میں ہونے لگیں۔ رضوان ابا جی کی باتیں ایک کان سے سن [illegible] کان سے نکال دیتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ [illegible] وہ پڑھائی سے دور ہوتا چلا گیا۔

☆☆☆

''آج تو لگتا ہے اس موسم کا سب سے زیادہ گرم دن ہے۔'' الطاف کا جملہ رضوان کو پھر گرم ہواؤں میں لے آیا تھا۔ رضوان خاموش ہی رہا۔

''کہاں کھوئے ہوئے ہو؟'' الطاف نے پوچھا۔

''کچھ نہیں یار۔'' رضوان نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ شام تک وہ اباجی کی باتوں کے حصار میں رہا۔

☆☆☆

گلشن روڈ پر سڑک پر تارکول پھیلائی جا رہی تھی۔ مزدوروں میں فرحان شدید گرم موسم میں لمبے بوٹ پہنے کام میں مصروف تھا۔ سر پر سورج چمک رہا اور سڑک تارکول کے باعث انگارہ بنی ہوئی تھی۔ ٹھیکیدار برابر جلدی کام ختم کرو کا شور مچا رہا تھا۔ سات بجے صبح کام شروع ہوا تھا اب تین بج رہے تھے مگر کھانے کا وقفہ نہیں کیا گیا تھا۔ جب فرحان نے کھانے کے وقفے کی بات کی تو چیف انجینئر نے اُسے دائیں طرف رکھے اپنے کنٹینر میں بلایا تھا۔ کنٹینر اے سی کے باعث یخ بستہ تھا۔ فرحان کو وہاں آتے ہی سکون محسوس ہوا تھا۔

''اچھا تو تم فرحان ہو۔'' چیف انجینئر نے اُسے سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے کہا۔

''جی میرا نام ہی فرحان ہے۔'' فرحان بولا۔

''سیاست بازی کرتے ہو، مزدوروں کو کھانے کے وقفے کے لیے اکساتے ہو، لیڈر بننا چاہتے ہو۔''

''جی نہیں جی، ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''ہم نے پرسوں تک سڑک کو مکمل کرنا ہے، جاؤ جا کر کام کرو اگر کام کرنے کا ارادہ نہیں تو گھر چلے جاؤ۔''

''آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' فرحان کا ٹھنڈے کنٹینر سے باہر نکلنے کو دل تو نہیں چاہ رہا مگر وہاں سے نکلنے کے سوا اُس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ باہر آتے ہی وہ گرم ہوا سے چکرا کر رہ گیا۔ سڑک پر تارکول پھیلاتے ہوئے بے اختیار اُسے اباجی یاد آ گئے۔ وہ بھی رضوان کے نقش قدم پر چل پڑا تھا۔ سکول سے غائب ہونا اس کا معمول بن گیا تھا۔ گھر آ کر کتابوں کو ہاتھ نہ لگانے کی گویا اُس نے قسم کھا رکھی تھی۔ اباجی اُسے سمجھاتے اور کبھی عاجز آ کر پٹائی بھی کر دیتے۔ وقت کی ڈور ہاتھ سے نکلتی چلی گئی۔ تپتی دوپہر میں وہ تارکول سڑک پر پھیلاتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ اباجی کی باتیں یاد کرتا رہا۔

عاقل مارکیٹ الیکٹرونکس مصنوعات کے حوالے سے شہر بھر میں نمایاں مقام رکھتی تھی۔ اسی مارکیٹ میں چائے کا ایک کھوکھا تھا جس میں دیگر ملازمین کے ساتھ نعمان کام کرتا تھا۔ صبح نو بجے وہ کام پر ... رات ... واپس جاتا۔ چائے کے ساتھ ساتھ ٹھنڈے مشروب اور ٹھنڈے پانی کی بوتلیں بھی کھوکھے میں رکھی تھیں۔ نعمان شدید گرم موسم میں چائے کے برتن لیے سارا دن ٹھنڈی دکانوں میں آتا جاتا رہتا۔ وہ عروج الیکٹرونکس میں جب بھی جاتا وہاں کے یخ بستہ ماحول میں دو چار منٹ کے لیے رک جاتا۔ ان دو چار منٹوں کی قیمت اُسے مالک اشفاق کی سخت سست باتیں سن کر ادا کرنا پڑتی۔ دوپہر کے وقت وہ عروج الیکٹرونکس میں چائے لے کر گیا تو حسب معمول ہر طرف ٹھنڈک ہی ٹھنڈک تھی۔ چائے کے برتن رکھ کر وہ بائیں طرف صوفے کے ساتھ زمین پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ گاہک مختلف فریج دیکھنے میں مصروف تھے۔ تھکاوٹ کے باعث اُس کی آنکھ لگ گئی۔ دس پندرہ منٹ کے بعد اشفاق اُسے تلاش کرتا ہوا وہاں آ گیا۔

''اچھا تو نواب صاحب یہاں آرام کر رہے ہیں۔ اوئے اٹھو، میں تمہیں سونے کے پیسے نہیں دیتا۔'' یہ کہتے ہوئے اشفاق نے زور سے اس کا بازو کھینچا۔

''اوہ۔ معاف کرنا وہ ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔''

''معافی کے بچے اٹھو اور جا کر کام کرو آئندہ تم اس دُکان میں نہیں آؤ گے۔'' اشفاق چلایا۔

نعمان کھوکھے کی طرف بڑھا تو اُسے اباجی کی باتیں یاد آ گئیں۔

رضوان اور فرحان کی طرح وہ بھی پڑھائی کی بجائے پتنگ بازی اور کبوتر بازی میں مصروف رہتا تھا۔ پڑھنے کا وقت ضائع کرنے کے باعث جب وہ عملی میدان میں آیا تو ہاتھ میں کوئی ہنر بھی نہ تھا، اب وہ کئی سال سے معمولی اجرت پر دس بارہ گھنٹے کام کرنے پر مجبور تھا۔

تینوں کے اتنے وسائل نہ تھے کہ وہ اپنا الگ سے گھر بنا سکتے۔ آبائی گھر کے ایک ایک کمرے میں وہ رہائش پذیر تھے۔ زندگی مشکل سے گزر رہی تھی۔ گرمی کے موسم میں ان کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔ چھت پر چارپائی پر سر جھکائے رضوان بیٹھا تھا۔ فرحان ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے اُس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

''کیا کوئی پریشانی ہے؟''۔

''آج سارا دن اباجی اور ان کی باتیں یاد آتی رہی ہیں۔'' ایسا لگ رہا تھا جیسے رضوان ابھی رو دے گا۔

''مجھے بھی آج سارا دن اباجی کی باتوں کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔'' فرحان نے اداس لہجے میں کہا۔

''اباجی ٹھیک کہتے تھے کہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، ہم نے اپنا سب گنوا دیا ہے۔''

اسی اثنا میں پسینے میں شرابور نعمان بھی چھت پر ... گرمی سے اُس کا برا حال تھا۔ وہ آتے ہی زاروقطار رونے لگا۔ دونوں اُس کی طرف بڑھے۔

''کیا ہوا ہے، کیوں رو رہے ہو؟'' رضوان نے پوچھا۔

''آج سارا دن اباجی کی باتیں یاد آتی رہی ہیں، ہم نے اُن کی باتوں کی قدر نہ کی، اُن کی کسی بات پر عمل نہ کیا اور خود کو برباد کر لیا۔'' یہ کہتے ہوئے روتے روتے نعمان کی ہچکی بندھ گئی۔ دونوں بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے، بے اختیار آنسو اُن کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔ فضا سوگوار ہو گئی تھی۔ اسی سوگوار فضا میں رضوان کی بیگم شمائلہ اپنے بیٹوں ذیشان اور دانیال کو لیے چھت پر آ گئی۔

''میں ان سے عاجز آ چکی ہوں، سارا دن شرارتیں کرنا اور گلی میں کرکٹ کھیلنا ہی ان کا کام ہے۔ پڑھائی لکھائی کے تو قریب بھی نہیں جاتے، انہیں سمجھایئے، میری تو کوئی بات انہیں سمجھ نہیں آئی شاید آپ کی کوئی بات ان کے دل کو لگ جائے۔'' شمائلہ بولتی چلی گئی۔

اس سے قبل کہ رضوان ان کو کچھ کہتا گلی میں گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ اُس نے گلی میں جھانکا۔

''کامران آیا ہے، جلدی سے جاؤ کرسی چھت پر لے آؤ، کھانے پینے کا انتظام کرو۔ ایک عرصے کے بعد ہمارا چھوٹا بھائی آیا ہے۔''

ذیشان اور دانیال سر جھکائے ایک طرف کھڑے تھے۔ کامران آیا تو سب نے اُس کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اُس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔

''بھائی جان! میری انیسویں گریڈ میں ترقی ہو گئی ہے۔''

''بہت بہت مبارک ہو۔'' تینوں بھائیوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''آپ سب کچھ اداس اور پریشان دکھائی دے رہے ہیں، کیا معاملہ ہے؟''

اس کے جواب میں رضوان نے ساری بات کامران کے گوش گزار کر دی۔

پھر رضوان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور زاروقطار رونے لگا۔ ذیشان اور دانیال ایک ایک بات غور سے سن رہے تھے۔ ساری بات اُن کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ انہوں نے ایک نظر اپنے والد اور چچا فرحان اور نعمان پر ڈالی۔ پھر اپنے چھوٹے چچا کامران کو دیکھا۔ فرق صاف ظاہر تھا۔

دونوں تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے کمرے میں گئے۔ وہ جب چھت پر واپس آئے تو اُن کے ہاتھوں میں کتابیں ... منظر بدل گیا تھا۔ اُداس فضا خوشگوار ہو گئی تھی۔ ایسا اس لیے ہوا تھا کہ دونوں نے اپنے چچا کامران کے نقش قدم پر چلنے کا فیصلہ جو کر لیا تھا۔

نظمیں

ابو سلامت رہیں

اللہ تجھ سے مانگتا ہوں بس یہی دُعا
سر پر ہمارے باپ کا سایہ رہے سدا
انگلی پکڑ کے جس نے مجھے چلنا سکھایا
میں جب بھی لڑکھڑایا گرنے سے بچایا
اس ہستی کا میں شکر کروں کس طرح ادا
سر پر ہمارے باپ کا سایہ رہے سدا
کتنی ہی محنتوں سے پرورش ہماری کی
جو چیز اس سے مانگی لیکر ہمیں وہ دی
ہم نے اسی میں دیکھی چاہت کی انتہا
سر پر ہمارے باپ کا سایہ رہے سدا
وہ راہ نما ہمارا وہ مہربان ہے
بے شک محبتوں کا وہ سائبان ہے
ٹوٹے نہ چاہتوں کا انمول سلسلہ
سر پر ہمارے باپ کا سایہ رہے سدا
کتنا عظیم باپ کا اولاد سے رشتہ
نسان کے بھیس میں آیا ہے فرشتہ
اپنی تمام خوشیاں بچوں پہ دے لٹا

چوہدری عبدالخالق۔ لاہور

باپ

سر پہ اک سائبان کی صورت
باپ ہے آسمان کی صورت
بچے ہیں پھول، باغ ہستی کے
باپ ہے باغبان کی صورت
اس کی شفقت کا گھر پہ سایہ ہے
اس کا دم ہے جہان کی صورت
اس کا درجہ نہیں کسی سے کم
وہ ہے اک آسمان کی صورت
ہے نگہبان گھر کا وہ [illegible]
مخلص و مہربان کی [illegible]

انتخاب: رانا بلال احمد [illegible]

باپ: تحفہ خدا ہے

گھر کی کشتی کا ناخدا ہے باپ
قدرت کا ایک نادر تحفہ ہے باپ
وہ جو احترام باپ کا کرتے نہیں
یتیموں سے پوچھیں کیا ہے باپ
خوش بخت ہیں جنھیں سایہ باپ میسر ہے
شفقتوں کا اک دفینہ بیش بہا ہے باپ
بن باپ کے کڑی دھوپ ہے دنیا
دھوپ میں رحمت کا سایہ ہے باپ
بدنصیبی ہے امجد قدر باپ کی کرتے نہیں ہم
خدا نے نمونہ مہر و ولا بنایا ہے باپ

امجد اقبال مگی۔ کیمر

میرے بابا

مجھے اتنا پیار نہ دو بابا
کل جتنا مجھے نصیب نہ ہو
یہ جو ماتھا چوما کرتے ہو
کل اس پہ شکن عجیب نہ ہو
میں جب بھی روتی ہوں بابا
تم آنسو پونچھا کرتے ہو
مجھے اتنا دور نہ چھوڑ آنا
میں روؤں اور تم قریب نہ ہو
میرے ناز اٹھاتے ہو بابا
میرے لاڈ اٹھاتے ہو بابا
میری چھوٹی چھوٹی خواہش پہ
تم جان لٹاتے ہو بابا
کل ایسا ہو اک نگری میں
میں تنہا تم کو یاد کروں
اور رو رو کر فریاد کروں
اے اللہ! میرے بابا سا
[illegible] پیار جتانے [illegible] ہو
میرے ناز اٹھانے [illegible]

انتخاب: مسز شمیم راولپنڈی، [illegible] ملتان

پیارے پاپا

یہ کامیابیاں، عزت یہ نام تم سے ہے
خدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے ہے
تمہارے دم سے ہیں میرے لہو میں کھلتے گلاب
میرے وجود کا سارا نظام تم سے ہے
کہاں بساط جہاں اور میں کم سن و ناداں
یہ میری جیت کا سب اہتمام تم سے ہے
جہاں جہاں میری دشمنی سب میں ہوں
جہاں جہاں ہے میرا احترام تم سے ہے

انتخاب: عائشہ طارق، دھول کلاں گجرات

اک پناہ گاہ کہلاتا ہے باپ
اولاد کو سیدھے رستے چلاتا ہے باپ
دن بھر کماتا ہے بچوں کی خاطر
سونے کا لقمہ کھلاتا ہے باپ
پھولوں کی مانند ہمیں پالتا ہے
سارے ہی نخرے اٹھاتا ہے باپ
تعلیم و تربیت ہماری ہے کرتا
شب و روز ہم کو پڑھاتا ہے باپ
برائیوں سے ہم کو بچانے کی خاطر
شیر کی نظر سے ڈراتا ہے باپ
اگر کام ہم اچھے اچھے کریں جو
تو خوشدلی سے سراہتا ہے باپ
آخر وہ اک دن بچھڑ جائے ہم سے
مگر خواب میں ملنے آتا ہے باپ
اے باپ [illegible] عظمت [illegible] لاکھوں سلام
اے [illegible] جنت [illegible] کبھی [illegible] پہ دوام

وہ روایت ساز بھی بننا چاہتا تھا اور روایت شکن بھی

"بابا سالگرہ مبارک"

دلشاد نسیم

مجھے بابا سے بہت محبت ہے۔ اس لئے کہ وہ بہت اچھے ہیں اور اس لئے بھی کہ انہوں نے ہم سے ہمیشہ پیار کیا اور خیال رکھا۔ لیکن مجھے لگتا ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں سب ماں باپ اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں۔ سب ہی اپنے بچوں کا خیال رکھتے ہیں سب سے اہم بات یہ ہے کہ بابا یعنی میرے بابا اپنے ابو جان سے بہت محبت کرتے تھے۔ میں نے ان سے یہی سیکھا کہ والد کے انمول رشتے کا مطلب کیا ہے۔۔۔

میری دادی کا انتقال اس وقت ہوا جب میرے بابا صرف چار سال کے تھے۔ میرے دادا نے ان کو کبھی ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ بابا ایک دن اپنے بچپن کی باتیں سنا رہے تھے کہنے لگے۔۔ "یہ اس وقت کی بات ہے جب میں آٹھویں میں پڑھتا تھا۔ ہماری کلاس میں عجیب رواج چل پڑا جس بچے کی سالگرہ ہوتی اس کا نام بورڈ پہ لکھا ہوتا اور وہ اپنے گھر سے کیک، پیٹیز، نمکو بوتلیں اور بھی جس کی جتنی جیب اجازت دیتی لے آتا۔ بابا نے میرے مستقبل کی خاطر مجھے امیروں کے سکول میں داخل کرایا ہوا تھا حالانکہ میرے ... امیر ... وہ کہتے کہتے رکے اور گلا صاف ... باتیں شروع کی۔ مجھے لگا ان کو اپنے ابو جان بہت یاد آنے لگے ہیں۔ ان کی آنکھیں گیلی ہو گئیں تھیں اور بولا بھی نہیں جا رہا تھا، بابا نے بتایا۔۔ "جوں جوں میری سالگرہ کا دن قریب آ رہا تھا میں پریشان رہنے لگا۔ سب بچے مجھ سے پوچھتے میں کیا کیا لاؤں گا کیونکہ سب جانتے تھے میں اکلوتا بھی ہوں اور لاڈلا بھی۔۔۔ میں ہوں ہاں کر کے ٹال دیتا۔ ابو جان سے اس لئے نہیں کہتا کہ وہ مجھے اتنے بڑے اور مہنگے سکول میں پڑھا رہے ہیں یہی کیا کم ہے۔ میرے سکول کی فیس دینے کے بعد جانے باقی خرچ کیسے کرتے ہوں گے۔۔۔ خیر میں نے فیصلہ کر لیا اس دن بہانہ بنا دوں گا اور سکول نہیں جاؤں گا اور اس فیصلے کے بعد میں مطمئن ہو گیا کہ نہ ابو جان پریشان ہوں گے نہ سکول میں مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا۔۔

لیکن میری قسمت خراب اس دن کلاس ٹیسٹ آ گیا۔ میں نے پھر بھی بہت بہانے بنائے کہ میرے پیٹ میں درد ہے دامتنگ ہو رہی ہے خواہ مخواہ واش روم کے کئی چکر لگائے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اُلٹا کڑوی کسیلی دوائیں پینی پڑیں۔۔ سکول میں مجھے خالی ہاتھ دیکھ کر سب لڑکوں نے ایک زبان میں کہا تم کیک نہیں لائے۔۔ میں نے ایکٹنگ کی اور کہا یار پڑھائی میں یاد ہی نہیں رہا اور میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔۔ چلو کل کھلا دوں گا۔۔ کہہ کے میں سب سے نظریں ملائے بغیر اپنی سیٹ پہ بیٹھ گیا۔ مجھے پتہ ہے سب سمجھ گئے ہوں گے کہ میں بہانے بنا رہا ہوں۔۔ ٹیسٹ ہو گیا میں بار بار بورڈ کو دیکھوں جہاں میرا نام بہت ساری دعاؤں کے ساتھ لکھا ہوا تھا، مجھے خود پہ ترس آ رہا تھا لیکن اس وقت میری حیرت اور خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا جب لنچ بریک سے پہلے ابو جان بہت سارے غبارے، کیک بچوں کے لئے تحفوں کے چھوٹے چھوٹے پیکٹس، کھانے پینے کی بے شمار چیزیں لے کر آ گئے۔۔۔ بچوں نے مجھے چیٹر کہا، جھوٹا کہا، مجھے بالکل برا نہیں لگا ابو جان کہنے لگے اصل ... آپ کو ... چاہتا تھا۔۔۔ وہ سالگرہ میری زندگی کی یادگار ... بعد میں مجھے پتہ چلا ابو جان میری خوشی کے لئے جانے کتنے دنوں سے اوور ٹائم کر رہے تھے اور یہ بھی کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ میرے پیٹ میں کوئی درد ورد نہیں تھا۔ وہ مجھے مجھ سے زیادہ جانتے تھے۔۔ مگر میں ان کو بالکل وقت نہ دیا کرتا۔ اپنی پڑھائی میں مجھے اتنا وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ جایا کرتا۔۔۔ کاش وہ ہوتے میں ان کی خدمت کرتا، ان سے باتیں کرتا، ان کے تجربے سے فائدہ اٹھاتا لیکن۔۔۔ وقت گزر جاتا ہے یادیں رہ جاتی ہیں مجھے آج بھی اس بات کا رنج ہے کہ جس شخص کی محنت اور دعاؤں سے میں اس مقام تک پہنچا ہوں کسی قابل ہوا ہوں تو وہ ہی نہ رہے۔۔"

افسانہ نگار دلشاد نسیم اپنے والد محمد نسیم احمد اشرفی کے ساتھ

اس وقت بابا دوپہر کے بعد تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے جا چکے ہیں اور میں سوچ رہا ہوں کہ آج میں اس جگہ پر ہوں جہاں کل بابا تھے اور بابا وہاں جہاں دادا تھے۔۔ اور پھر میں نے خود سے ایک وعدہ کیا۔ ایک ایسا وعدہ جس کو پورا نہ کرنے کا بابا کو بہت دکھ ہے۔ اور وہ وعدہ یہ ہے کہ میں بابا کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارا کروں گا۔ اور آج ویسے بھی ان کی سالگرہ ہے۔ یہ دن ان کی زندگی کا ہی نہیں ہم بچوں کی زندگی کے لئے بھی بہت اہم ہے کیونکہ ہماری ساری خوشیاں، رونقیں ان کے دم سے قائم ہیں۔ ابھی میں نے ان کو سرپرائز دینے کے لئے کوریئر سروس سے کیک منگایا ہے۔۔۔ مجھے یقین ہے بابا کیک دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور کہیں گے" ایک وہ سالگرہ تھی جو میرے ابو جان نے منائی ایک یہ جو میرے بیٹے نے۔۔۔" اور میں خوش ہو کر کہوں گا بابا محبت کرنا اور خوشیوں کو سیلبریٹ کرنا میں نے آپ سے سیکھا ہے۔۔۔

"اور وہ ہنس کر کہیں گے۔۔۔ "بدمعاش بہت باتیں بنانے لگا ہے۔۔ کب ... بھی مجھ سے سیکھی ہیں؟"۔

ڈاکٹر کیول دھیر۔ لدھیانہ انڈیا

چیئرمین ساحر کلچرل اکیڈمی
شاعر۔ کئی کتابوں کے مصنف

بچے قوم کی امانت ہوتے ہیں۔
بچے سماجی ارتقاء کی ضمانت ہوتے ہیں۔
اس امانت اور ضمانت کے تحفظ کے جاہت
کے ساتھ ننھے پیارے بچوں کے لئے نیک خواہشات

(دستخط)

پروفیسر سحر انصاری

استاد۔ شاعر
کئی کتابوں کے مصنف

میں بڑوں کے لیے لکھتا ہوں اور جامعات میں بڑی کلاسوں کو
طلبہ و طالبات کو پڑھاتا بھی ہوں۔ لیکن میرا یہ پختہ یقین ہے کہ
جب تک بچوں کے لیے ادب تخلیق نہ کیا جائے کوئی قوم صحیح معنوں
میں ترقی نہیں کر سکتی۔ تناور درختوں کی خواہش کے لیے چھوٹے پودوں
اور پودوں پر پہلے توجہ دینی چاہیے۔ چنانچہ میں حسب مقدور
بچوں کے لیے لکھتا رہتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ شعیب مرزا صاحب
بچوں کے ادب کے سلسلے میں عملی کوشش کر رہے ہیں۔ میں انھیں دلی مبارکباد
پیش کرتا ہوں

سحر انصاری
۵ مارچ ۲۰۱۴ء

محمد افضل عاجز۔ لاہور

شاعر۔ نغمہ نگار

پہلی جماعت جیسی رُت روشنی ہوگی

(دستخط)

ناصر زیدی۔ لاہور

سابق اسپیچ رائٹر وزیراعظم پاکستان
شاعر۔ کئی کتابوں کے مصنف

شرط ہے صرف کوشش پیہم
پھر جو وہ ربِ ذوالجلال کرے
پیارے بچو! محنت، محنت اور محنت،
کبھی ناکام نہیں رہوگے!

ناصر زیدی

"باپ ایک نعمت ہے"

باپ اپنے بچوں کو گھنے درخت کی طرح سایہ مہیا کرتا ہے

اطہر رجب شیخ

"باپ"۔ کتنی کشش اور مٹھاس ہے اس نام میں، باپ ایک عظیم ہستی ہوتی ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ باپ ہی اپنے بچوں کو گھنے درخت جیسا سایہ مہیا کرتا ہے۔ وہ بچوں کی ہر مصیبت میں ڈھال بن جاتا ہے۔ اپنے بچوں سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ اُن کی ہر

والد کی دُعا اولاد کے لیے جلد قبول ہوجاتی ہے۔ حدیث مبارکہ:

بچوں کو باپ کا ادب کرنا چاہیے

فرمائشیں پوری کرتا ہے۔ اگر اُس کی آمدنی کم ہے تو دن رات محنت کرکے اُن کی ضرورت کی چیزیں مہیا کرتا ہے۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ اُس کے بچے پڑھ لکھ کر بڑے آدمی بنیں اور ملک وقوم کی خدمت کریں۔ ہر باپ اپنے بچوں سے شفقت سے پیش آتا ہے چاہے امیر ہو یا غریب۔ ایک غریب مزدور بھی اپنے بچوں کو سکول میں پڑھانا چاہتا ہے۔ گھر میں چاہے کھانے کو نہ ہو لیکن وہ بچوں کی ہر ضرورت کو پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ باپ ہی ہے جو بچوں کو سکول وقت پر پہنچاتا ہے اور چھٹی کے بعد گھر لے کر آتا ہے۔ یا سکول کے لئے وین لگوادی جاتی ہے چاہے کرایہ کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ بعض دفعہ دفتر سے اُٹھ کر بھی آنا پڑتا ہے۔ باپ کے ساتھ ساتھ ماں بھی بچوں سے بہت محبت کرتی ہے لیکن باپ کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔

باپ جب دفتر سے گھر آتا ہے تو سیدھا اپنے بچوں کے پاس جاتا ہے۔ انہیں پیار کرتا ہے۔ اس طرح اُس کی ساری تھکن دور ہوجاتی ہے۔ اُن کے لئے اُن کی پسند کی چیزیں لاکر دیتا ہے۔ سیر و تفریح کے لئے پارک وغیرہ میں لے جاتا ہے۔ اگر کوئی بچہ بیمار ہوجائے تو دفتر سے چھٹی کرلیتا ہے۔ بچوں کو اچھی اچھی باتیں بتاتا ہے مثلاً بڑوں کا ادب کرنا، نماز پڑھنا، محنت سے پڑھائی کرنا، کسی کو تنگ نہ کرنا وغیرہ۔ اگر باپ بچوں کو کسی بُری بات سے روکتا ہے یا کبھی کبھار ایک تھپڑ لگا دیتا ہے تو بچوں کو برا نہیں ماننا چاہیے کیونکہ وہ یہ سب کچھ اپنے بچوں کی اصلاح اور بھلائی کے لئے کرتا ہے۔

بچوں کو بھی چاہیے کہ وہ بھی اپنے باپ سے اسی طرح محبت کریں۔ اُس کا ادب کریں اور اپنے باپ کی ہر بات مانیں۔ خوب محنت سے پڑھائی کریں تاکہ باپ کا دل خوش ہو۔ بڑے ہو کر باپ ... کی ... بھائیوں کی بہترین تربیت کی۔ ہمیشہ انہوں نے نماز کی تاکید کی، بڑوں کا ادب کرنے کے لئے اور امتحان میں اچھے نمبر حاصل کرنے کے لئے کہتے تھے۔ اگر میں اُن سے پیسے مانگتا تھا تو وہ زیادہ پیسے دیتے تھے۔ غرض انہوں نے ہر طرح خیال رکھا۔

ایک دفعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو بتایا کہ والد کی دعا اولاد کے لئے جلدی قبول ہوتی ہے۔ یعنی باپ کا درجہ بلند ہوتا ہے۔ وہ بچے خوش نصیب ہیں جن کے باپ کا سایہ اُن کے سروں پر قائم ہے۔ وہ بچے جن کا باپ نہیں ہے وہ کتنا اکیلا پن محسوس کرتے ہوں گے۔ ویسے تو والدہ بھی بچوں سے بہت محبت کرتی ہے لیکن والد سے فرمائشیں کرکے چیز منگوانے کا مزہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب بچوں کے باپ اُن کے سروں پر ہمیشہ سلامت رکھے۔ آمین۔ بچے بھی اپنے باپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ ان کی باپ سے محبت کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

خاندان برامکہ کے افراد مملکت بغداد کا سارا انتظام اپنی کمان میں رکھے ہوئے تھے جس کی سطوت وعظمت کی دھاک پورے قلمرو پر بیٹھی ہوئی تھی اور جس کی سخاوت و فیاضی کی شہرت عالم میں پہنچ چکی تھی۔ جب ان پر ہارون الرشید کا غلبہ ہوا تو اُس نے اپنے وزیراعظم فضل بن یحییٰ برمکی کو اُن کے والد یحییٰ برمکی کے ساتھ قید خانہ میں ڈال دیا۔ فضل برمکی اپنی وزارت وشوکت کے زمانے میں بھی اپنے باپ کے بے حد خدمت گزار تھے جب قید میں ڈالے گئے اور سردیوں میں قید خانے کے اندر پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا تو فضل برمکی تانبے کے لوٹے میں پانی بھر کر لاتے اور اُسے اپنے پیٹ سے چمٹائے رکھتے تاکہ پیٹ کی گرمی سے اُس کی ٹھنڈک دور ہوجائے اور بوڑھے باپ کو قدرے گرم پانی وضو کے لئے مل سکے۔ سبحان اللہ۔

خدا کرے سب بچے اپنے باپ سے ایسی ہی محبت کریں۔ باپ تو اولاد سے محبت کرتا ہی ہے۔

عظیم آدمی

میرے ابو غلام عباس عظیم سے عظیم آدمی ہیں۔ انہوں نے مجھے کبھی کوئی دُکھ نہیں دیا میری ساری زندگی ہنسنے کودنے میں گزرتی دیکھی۔ وہ مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ خدا کرے ان کی عمر دراز ہو۔ آمین ثم آمین۔

محمد شہباز عباس......روہیلانوالی

کمی محسوس ہوتی ہے

پیارے ابو! اللہ پاک آپ کو خلد بریں میں رکھیں۔ ہمیں آپ کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔

عظمیٰ سحر......رنگ پور قصور

بڑی نعمت

باپ اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ میں اپنے والد سے بہت پیار کرتا ہوں جب کبھی میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ بہت پریشان ہوجاتے ہیں۔ جب کبھی والد سے ڈانٹ پڑے تو میں اسے ان کا پیار سمجھتا ہوں۔ میرا بس چلے تو میں ان کے لئے اپنی جان بھی قربان کردوں۔ میری دُعا ہے کہ ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رہے۔

ماہر عبداللہ......لاہور

والد محترم حضرت ابو اویس محمد شکوکت رضا قادری

پیکرِ خصوصیات پیارے ابو جان آپ ہمارے لئے صحیفوں کی طرح مقدس ہیں۔ آپ نے ہماری تربیت صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق کی۔ ہم صمیمِ قلب سے آپکی خدمت میں اپنی محبتوں اور عقیدتوں کا خراج پیش کرتے ہیں۔

آپکی لختِ جگر

عائشہ صدیقہ قادری۔ اسلام آباد

باپ

باپ کے سامنے شفقت اور انکساری سے جھکے رہنا عزت کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔

جبیرہ ظلم [illegible]۔ [illegible]

ابو جی

میرے ابو جی ایماندار، مہربان، شفیق، ذہین، محترم، باوقار، عالم اور ہمیشہ ہم سے پیار کرنے والے۔ اپنی زندگی ہماری زندگیاں بہتر بنانے پر صرف کردیں اور اپنے والدین سے عزت سے بات کرتے تھے۔ آج ہماری کامیابیوں میں ان کا اہم کردار ہے۔

ڈاکٹر محمد ارشد۔ انگلینڈ۔ والد عبدالرشید۔ فیصل آباد

عظیم شخصیت

میرے والد ہم سب بہن بھائیوں کے لیے عظیم شخصیت ہیں۔ اُن کی زندگی کی انتھک محنت آج ہمارے لیے کامیابی ہے۔ ان کی رہنمائی میری پوری زندگی مشعل راہ ہے۔

حاجی عرفان الحسن بھٹی۔ سانگلہ ہل

ابو جان سے محبت کا اظہار

مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنے والد سے ہے۔ جب میرے والد مجھے ڈانٹتے ہیں تو مجھے غصہ نہیں آتا بلکہ مجھے خوشی ہوتی ہے کہ والد صاحب جو کچھ کہتے ہیں ہماری بھلائی کے لیے کہتے ہیں۔ جب میرے ابو گھر پر نہیں ہوتے تو میں بے چین ہوجاتا ہوں۔ میرے ابو جان بیمار ہیں میں اُن کی بہت دیکھ بھال کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے والد کو شفا کاملہ عطا فرمائے۔ آمین!

رانا بلال احمد، کوٹلہ جام۔ بھکر

خیال رہے گا

جب میں نوکری کروں گا تو میرے پاس ''حرام'' کمانے کے بہت سے ذریعے آئیں گے لیکن ان کی طرف جانے سے پہلے یہ خیال ہزار بار میرے ذہن میں کوندے گا کہ میرے والد نے کبھی پولیس میں رہ کر نہ کبھی ہمیں حرام کا لقمہ کھلایا نہ خود کھایا اور میں اِلہٰذا میں بھی حرام مال نہیں کماؤں گا۔

سید شہریار [illegible] سید [illegible] علی [illegible] پولیس۔ لاہور

اسم اعظم

یہ کیسا اسم اعظم ہے
یہ کیسی خواب سی دنیا کا
جادو ہے
میرے بابا کے ہونٹوں پر
''میری بیٹی'' ابھرتا ہے
تو میرا سر فلک کو
چھونے لگتا ہے
(منصورہ احمد)

میرے والد کے نام جنہوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی

ثمرین فاطمہ اپنے والد سید راحت علی کے ساتھ۔ لاہور

فخر ہے

میرے ابو جان پاکستان ملٹری اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ سے ریٹائرڈ حافظ قرآن اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ ہر ایک سے بھلائی اور پیار ومحبت ان کا شیوہ ہے۔ ہمیں اپنے ابو جان سے بہت محبت ہے۔ وہ ایک سچے مسلمان ہیں۔ وہ ہمیں بھی سچا اور اچھا مسلمان بننے کا درس دیتے ہیں تمام لوگ ان کا احترام کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے باپ پر فخر ہے۔

محمد نعمان فرید سیالوی ولد حافظ محمد بخش سیالوی، جامعہ محمدی شریف ضلع چنیوٹ

میرے ابو جان

میرے ابو جان نے ہمیشہ مجھے بہت پیار کیا ہے۔ جب میں دس سال کا تھا تو ابو جان نے مجھے کہا۔ بیٹا آپ کی کوئی شکایت نہیں آنی چاہیے۔ اس کے علاوہ کوئی نصیحت نہیں کی اور میں سب کچھ سمجھ گیا۔ میرے ابو جی ہی میرا سب کچھ ہیں۔

Thank you for your advice Papa

اللہ تعالیٰ میرے ابو جان کا سایہ میرے سر پہ تادیر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

حافظ محمد آصف الیاس۔ نوشہرہ روڈ گوجرانوالہ

بڑھاپے میں والدین اپنی اولاد کی خصوصی توجہ کے حقدار ہوتے ہیں

باپ کی دیکھ بھال کرنا اولاد کی ذمہ داری ہوتی ہے

محمد علیم نظامی

مذہب اسلام نے جہاں اولاد کے لیے ماں کے حقوق پورے کرنے پر زور دیا ہے وہاں باپ کی عزت و تکریم کو بھی بڑی اہمیت دی ہے۔ باپ جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو اُسے اولاد کی توجہ کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ جب ہم اپنی ماں کے ساتھ ساتھ اپنے باپ کی خدمت اور دیکھ بھال کا فرض ادا کر سکتے ہیں۔ تاہم عمر رسیدہ باپ کا دھیان رکھنا اولاد کے لیے کسی قدر مشکل بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس عمر میں جسمانی اور ذہنی کمزوریاں باپ پر غالب آ سکتی ہیں اور باپ کو صحت کے بہت سے مسائل لاحق ہو جاتے ہیں لیکن ہمارے دین میں والد صاحب کو اس قدر بلند درجہ

اولاد کو اپنے والدین کیلئے ضرور وقت نکالنا چاہیے

بڑھاپے میں عادتیں بچپن جیسی ہو جاتی ہیں

حاصل ہے کہ انہیں اُف تک کہنا منع ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ والد صاحب بوڑھے ہونے کی وجہ سے اپنی اولاد کی کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیتے ہیں ایسے میں اپنے والد صاحب کو منانا اور انہیں اپنی بات سمجھانا مشکل ہو جاتا ہے مگر یہی اولاد کا اصل امتحان ہے کہ اس صورتحال کو کیسے سنبھالا جا سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اگر والد [illegible] اولاد [illegible] جاتے ہیں تو ایسے میں صبر و تحمل [illegible] لینا [illegible]

بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی والد صاحب کوئی بات سننے یا ماننے سے انکار کر دیں تو اولاد کو چاہیے کہ وہ اس وقت خاموش ہو جائے اور والد صاحب سے بالکل بحث نہ کرے لیکن بعد میں جب والد صاحب کا مزاج اچھا ہو جائے تو مناسب موقع دیکھ کر باتوں باتوں میں اپنی بات والد صاحب کے گوش گزار کریں۔

کہتے ہیں کہ بوڑھا اور بچہ ایک جیسے ہوتے ہیں یعنی بوڑھے والد صاحب کی باتیں بھی بچوں جیسی ہو جاتی ہیں۔ والد صاحب بچوں کی مانند ضد کرتے ہیں اور ذہنی و جسمانی طور پر کمزور ہونے کے باعث بچوں کی طرح خصوصی دیکھ بھال کے بھی مستحق ہوتے ہیں۔ عمر رسیدہ والد صاحب اکثر اوقات وہمی بھی ہو جاتے ہیں اور اپنی اس کیفیت کے تحت ڈاکٹر کی تجویز کردہ ادویات اور غذا کھانے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔ والد صاحب کا اصرار ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ان کا مزاج نہیں سمجھتا اور ان کا درست علاج نہیں کر سکتا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ والد صاحب کسی خاص سبب کے بغیر کسی شخص کو اپنا دشمن تصور کر لیتے ہیں۔ وہ شخص گھر کا کوئی فرد بھی ہو سکتا ہے اور کوئی ملازم بھی ان کے وہم کا شکار ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو بہتر یہی ہے کہ آپ اُس شخص کو والد صاحب کے پاس نہ جانے دیں اور اُن پر بالکل جبر نہ کریں۔

بیشتر گھروں میں بوڑھے والد صاحب کو ایک کمرے یا کسی علیحدہ گوشے میں داخل کر دیا جاتا ہے جس کے سبب وہ تنہائی، اُداسی اور ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بیمار والد صاحب کو کھانا، پینا اور دوا پہنچا کر اولاد یہ سمجھتی ہے کہ شاید وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گئی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ عمر کے اس دور میں والد صاحب کو اولاد کی بھرپور توجہ اور ہمدردی کی اس طرح ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ بچپن میں اولاد کو تھی۔

اولاد خواہ کتنی ہی مصروف کیوں نہ ہو والد صاحب کے لیے وقت ضرور نکالے۔ روزانہ والد صاحب کے پاس بیٹھے اور ان کی دلجوئی کرے۔ ان سے باتیں کرے ان کے مسائل جانے، اُن کی شکایات سنے اور حتی المقدور اُن کے کام آنے کی کوشش کرے۔ کوئی اولاد یہ بھی سمجھتی ہے کہ اُس کی شادی کے بعد بوڑھے والد صاحب کے لیے ان کی ذمہ داری پوری کرنا ممکن نہیں رہا اور اُن کی خدمت گھر کے دیگر افراد کا ہی فرض بنتا ہے۔ ایسا سوچنا مناسب نہیں۔ اولاد کو چاہیے کہ وقتاً فوقتاً والد صاحب کی خبر گیری کرتی رہے تاکہ وہ اپنے دل کی باتیں [illegible] خوشنودی [illegible] ہے۔

ایڈیٹر ''پھول'' کی والدہ کی برسی

11 جولائی کو ایڈیٹر ''پھول'' محمد شعیب مرزا کی والدہ کی 9 ویں برسی ہے۔ تمام پھول ساتھیوں سے گزارش ہے کہ ان کی مغفرت، درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں اور زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کریں۔

دعائے صحت کی درخواست

ایڈیٹر ''پھول'' کے بڑے بھائی کچھ عرصے سے علیل ہیں۔ تمام پھول ساتھیوں سے درخواست ہے کہ ان کی کامل صحت کے لیے دعا فرمائیں۔

چند گزارشات

☆ پھول ساتھیوں کے لیے جو ہدایات جاری کی جاتی ہیں ان پر عمل کیا کریں۔

☆ ہر تحریر کے آخر پر مکمل نام، پتہ اور فون نمبر ضرور لکھا کریں۔ بعض لکھاری صرف لفافے پر نام پتہ لکھ دیتے ہیں جو ڈاک کھولتے ہوئے ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔

☆ لفافے پر میرا نام لکھنے کے بجائے صرف ماہنامہ ''پھول'' اور پتہ لکھا کریں۔ خطوط اور تحریروں پر بلاوجہ قرآنی آیات نہ لکھا کریں تاکہ بے ادبی نہ ہو۔ حمد، نعت کا انتخاب ہم خود کرتے ہیں پھول ساتھی نہ بھجوایا کریں جبکہ نظمیں کسی مستند شاعر سے اصلاح کر کے بھجوائیں۔

☆ پھول فورم، نرالے ہیں انداز ہمارے یا کسی اور مقصد کے لیے کوئی تصویر بھیجیں تو اس کے پیچھے نام ضرور لکھیں۔

☆ کسی بھی موضوع پر خاص نمبر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر سلسلہ اسی حوالے سے ہو۔ کہانیاں، مضامین، نظمیں، مسکراہٹیں، پینٹنگز وغیرہ وغیرہ۔ سب اسی موضوع کے حوالے سے ہوں تو پھر خاص شمارہ واقعی خاص لگے۔

☆ اگست میں ''آزادی نمبر'' ستمبر میں ''یوم دفاع نمبر'' جبکہ ''ماں نمبر'' اور ''طنز و مزاح نمبر'' بھی زیر ترتیب ہیں ان کے لیے مواد جلد از جلد بھجوائیں۔

☆ ''نرالے ہیں انداز ہمارے'' کے لیے تصاویر بہت واضح بھجوایا کریں۔ مدھم تصاویر شائع نہیں کی جائیں گی۔

☆ ''پھول فورم'' میں غیر سنجیدہ باتیں لکھنے سے پرہیز کریں ورنہ......

☆ ''پھول'' کو بہتر سے بہتر بنانے اور نئے سلسلے شروع کرنے کے لیے اپنی تجاویز بھجواتے رہیں۔

☆ انعامات کے حوالے سے جو ساتھی خط لکھتے ہیں وہ مقابلے کا نام، مہینہ، اپنا پورا نام، ولدیت اور مکمل پتہ، ہو سکے تو فون نمبر بھی لکھیں۔

☆ اپنی تحریریں اور کوپن وغیرہ ہر ماہ کی 10 تاریخ تک بھجوا دیا کریں۔

☆ خاص نمبر کے [illegible] موضوع کے حوالے سے مختلف کتابوں [illegible] تحریروں [illegible] انتخاب بھی بھجوایا جا سکتا ہے۔ اس کو دوبارہ [illegible] کے بجائے [illegible] کاپی کروائی جا سکتی ہے البتہ کتاب، مصنف [illegible] ناشر کا نام ضرور [illegible] ہیں۔

اعلان

حنا زجس

بچے کو دیکھ کر اس کی خوشی کافور ہوگئی تھی

عمیر کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی مجھے رات کو دانیال کی طرف سے موصول ہونے والے ایس ایم ایس کی صداقت پر شبہ ہوا مگر اگلے ہی لمحے شہریار کو اپنی کرسی چھوڑ کر اٹھتے، عمیر کے گلے لگتے اور مبارک باد دیتے دیکھ کر شبہ دم توڑ گیا اور میں بھی کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور مبارکباد دینے والوں میں شامل ہوگیا۔

شہریار تو حد سے زیادہ پرجوش تھا۔

''یار مٹھائی کہاں ہے؟ تو خالی ہاتھ ہی چلا آیا؟''۔

وہ عمیر کو معاف کرنے کو تیار نہ تھا۔

''سب کچھ ٹھیک تو ہے نا؟ بھابی اور بچہ خیریت سے تو ہیں نا؟''۔

میں بھی اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے گفتگو میں شریک ہوا۔

''ہاں یار، ٹھیک ہے سب۔ مٹھائی بھی...... کھلا دوں گا۔''

''تجھے ہوا کیا ہے؟ پہلی بار باپ بننے والوں کے چہرے ایسے ہوتے ہیں کیا؟ تو اتنا بجھا ہوا کیوں ہے؟''۔

شہریار کو مطمئن کرنا آسان کہاں تھا۔

''اور عمیر بھائی میں تو اپنے بھتیجے کی تصویریں بھی دیکھوں گا۔ لائیں دیں اپنا موبائل فون یقیناً آپ پر ہی گیا ہوگیا، گورا رنگ، گہرے براؤن بال اور انتہائی پُرکشش آنکھیں۔''

''وہ دراصل...... دراصل......'' عمیر کا چہرہ افسردگی و ہچکچاہٹ کا مرقع تھا۔

''یار کیا دراصل، دراصل کیوں پہیلیاں بجھا رہے ہو؟''۔

''وہ میں...... یہ کہنا چاہتا تھا کہ...... بچہ...... انتہائی...... جیسا''۔

''ویسے عمیر بھائی مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔ آپ کا تو پورا خاندان ہی بہت گورا گلابی ہے اور بھابی بھی تو آپ کی کزن ہی ہیں نا۔''

''سچ کہوں تو...... میں نے کل جب سے اسے دیکھا ہے...... چڑ ہوگئی ہے مجھے باپ بننے سے ہی۔''

''میرا ابر...... تو......'' وہ مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

''عمیر، کیوں اتنے [illegible] ہو رہے ہو...... اللہ کوئی

کالا...... ہے''۔

''کیا؟؟؟؟''۔

چند ہی لمحوں میں سب خود پر قابو پا چکے تھے۔

''یار بچوں کے رنگ مختلف ہوتے ہی ہیں۔''

''ہاں تو اور کیا؟ ویسے بھی رنگ بدلتے رہتے ہیں عمر کے ساتھ ساتھ۔ تو پریشان نہ ہو وہ بھی گورا ہو جائے گا تیرے

کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔''

''اونہہ...... تم بھی اسے دیکھو گے نا...... تو کالا زہر تمہارے اندر بھی بھر جائے گا۔''

بچہ سات دن کا ہوگیا تھا اور آج سنتِ عقیقہ کے ساتھ ساتھ نام بھی رکھا جانا تھا۔

''عمیر بیٹا، ہم نے خباب بن عمیر، نام رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟''

''کچھ بھی رکھ دیں ابو جان بس میرا نام اس کے نام کے ساتھ نہیں لگنا چاہیے۔''

''اونہہ...... بن عمیر''۔

''بیٹا، اللہ سے ڈرو۔ تمہارے لہجے میں تکبر کی بُو ہے۔''

مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نفرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ خباب اب تین سال کا ہو چلا تھا۔ ننھیال اور ددھیال سب کی آنکھوں کا تارہ مگر عمیر ہمیشہ اسے ان کی منافقت گردانتا۔

''بھلا ایک بچہ جس کو دیکھ کر دل میں محبت کا ایک سوتا بھی نہ پھوٹے، کس طرح آنکھوں کی ٹھنڈک اور راج دُلارا ہو سکتا ہے؟ کم از کم میں تو یہ منافقت نہیں کر سکتا۔''

وہ اپنے طرزِ عمل کو صحیح ثابت کرنے کیلئے خود کو ہی توجیہہ پیش کرتا اب تو اکثر وہ اپنے دفتر سے واپسی پر اس کو گلی میں بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے پاتا اور بچے [illegible] کالا ہے'' [illegible] یا'' الٹے توے'' کہہ کر پکارتے [illegible] سی تسکین دے جاتا۔

''[illegible] اسی سلوک کا [illegible] ہے''۔

اس باغی رویے نے اسے اپنے رب سے بھی بہت دور کر دیا تھا اور شکایات کا ایک پورا دفتر اس کے اندر کھل گیا تھا۔

''سنئے، کل خباب کو سکول داخل کروانے جانا ہے اور سکول کے سلسلے میں ہی اس کے لئے کچھ خریداری بھی کرنی ہے۔ آپ دفتر سے آدھی چھٹی لے لیجئے گا''۔

''کیا کہا؟ میں لے کر جاؤں گا اسے سکول؟ ابو سے کہو تم۔ انہی کو بہت شوق ہے اسے اپنی پہچان دینے کا......''۔

ناشتے کی میز پر اس کی یہ چیخ ابو کو بھی کھانے کے کمرے تک لے آئی تھی۔ ''عمیر اپنے طرزِ عمل پر غور کرو۔ اللہ کی ناراضگی مول نہ لو کل ہی میں سورہ روم کی تفسیر سن رہا تھا اللہ فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے پیدا فرمانا آسمانوں کا اور زمین کا اور مختلف ہونا تمہاری زبانوں کا اور تمہارے رنگوں کا۔ بلاشبہ اس میں بھی نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لئے۔

تو کسی کا رنگ نہ ہمارے لئے باعث فخر ہوتا ہے نہ باعث ندامت۔ یہ تو اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ خود کو بدلو۔ اس معصوم بچے سے اس کا باپ نہ چھینو۔''

وہ ناشتہ چھوڑ کر کرسی کو ٹھوکر مارتے، دروازہ دھاڑ سے بند کرتے دفتر کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔ وقت اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں تھا۔ بیٹے سے اُس کی نفرت سب دوستوں اور رشتہ داروں پر عیاں تھی۔ اس لئے ہر کوئی اُس سے بات کرتے ہوئے محتاط رہتا۔ اور ان پانچ سالوں میں اُسے مزید اولاد سے نہ نوازے جانے میں بھی یقیناً حاکم مطلق کی کوئی مصلحت ہی رہی ہوگی۔

وہ دفتر میں چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا جب موبائل کی مخصوص گھنٹی بجی جو گھر سے آنے والے فون کی نشاندہی کر رہی تھی۔ اس نے فون سنا۔

''السلام علیکم!''

''عمیر...... پلیز...... جلدی سے...... گھر......''۔

اور باقی فقرہ سسکیوں کی نذر ہو گیا۔ وہ بے حد پریشان ہو گیا۔

''سب خیریت تو ہے نا؟ رو کیوں رہی ہو؟ ابو سے تو میری بات ہوئی تھی۔ صبح عمیر [illegible] وہ خیر [illegible] کراچی پہنچ گئے ہیں۔ اوہو...... [illegible] تو...... ہوا ہے؟''

''آپ...... گھر...... آ جائیں جلدی سے۔''

''ٹھیک ہے، میں آتا ہوں۔''

ہزار اندیشے دل میں لیے وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار گھر پہنچا۔

''عمیر...... ہم دو گھنٹے سے خباب کو تلاش کر رہے ہیں۔ وہ مل ہی نہیں رہا...... مجھ سے پوچھ کر اپنا چھوٹا سا بیٹ اُٹھائے گلی میں کرکٹ کھیلنے نکلا تھا...... بچوں کی ملی جلی آوازیں سنتی میں اپنے کام میں مشغول رہی...... کھانا تیار کر کے اُسے کھانے کے لیے بلانے گئی تو...... بچوں نے کہا......'' آنٹی وہ تو آج ہمارے ساتھ نہیں کھیل رہا۔ ہم سمجھے گھر پر سو رہا ہے۔

امی نے کالونی کے بہت سے گھروں سے پتہ کیا اور کچھ لڑکوں کو بھی اُس کی تلاش میں بھیجا...... مگر...... ابھی تک اُس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ کچھ کریں۔''

اُسے لگا اُس کا اپنا دل بھی کسی شکنجے میں کسا جا رہا ہے۔

''پریشان نہ ہو میں کچھ کرتا ہوں۔ مسجد میں اعلان کرواتا ہوں۔'' اس کے قدم خود بخود ہی قریبی مسجد کی طرف اٹھتے چلے جا رہے تھے۔

''جی آپ بچے کا نام اور حلیہ بتا دیں ہم ابھی اعلان کر دیتے ہیں۔''

''نام، خباب...... بن عمیر...... نیلی پینٹ پر آسمانی رنگ کی شرٹ، عمر، پانچ سال......''

''اور رنگ؟''۔

''رنگ'' حلق میں پھنسا آنسوؤں کا گولہ نگلنا مشکل ہو گیا تھا۔ ''گہرا کالا''۔

آنکھوں سے بہتا پانی اندر کہیں محبت کے پھوٹتے سوتوں کی نشاندہی کر رہا تھا۔ منظر دھندلا چکے تھے۔ وہ مجسم کان بن چکا تھا۔

''حضرات! ایک اعلان سماعت فرمایئے۔ ایک بچہ جس کی عمر پانچ سال ہے۔ نیلے رنگ کی پینٹ پر آسمانی شرٹ پہنے ہوئے ہے۔ اپنا نام خباب بتاتا ہے۔ رنگ گہرا کالا ہے۔ جن صاحب کو ملے

☆☆

میرے بابا!

والدین کہ جن کے احسانوں کا بدلہ اولاد کبھی چکا ہی نہیں سکتی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ میرے والد جناب عبدالصمد صاحب، 12 ربیع الاول 2009ء کو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ وہ ایک انتہائی عبادت گزار انسان تھے۔ ان کا شعار ہمیشہ دینداری رہا۔ وہ خدمتِ خلق اور رزق حلال کو انسان کا سرمایہ سمجھتے اور تمام عمر اسی راہ پے گامزن رہے۔ خود بہت چھوٹی عمر میں والدین سے محروم ہو گئے شاید اسی لئے سب بچوں سے خاص لگاؤ رکھتے اور بہت شفقت فرماتے۔ ہر سال 12 ربیع الاول کے دن کو درود و سلام سے سجاتے سجاتے خود بھی اسی مبارک دن اپنے رب سے جا ملے۔ اپنے اہل و عیال کے لئے ان کی زندگی ان اشعار کی تعبیر بنی رہی۔

خوشی جو ملے اسے تیرا پتہ دیتے ہیں
تو خود کو کل غموں سے کیسے بچائے گا
مسیحا ہوں خدا نہیں، جانتا ہوں پھر بھی
فکر ہے کہ میرے بعد زمانہ تجھے ستائے گا

آج! ان کے بعد دل میں یہ کسک باقی ہے کہ کاش وہ یوں اچانک نہ چلے جاتے تو جس طرح وہ ہر وقت ہمارے لئے رہنما بنے رہے اور محنت سے ہماری پرورش کرتے رہے ہم بھی ان کی خدمت کر سکتے۔

چند اشعار اپنے بابا کے نام:

کبھی سوچا نا تھا کہ یوں بولنے والا
ایک دن چپ بس چپ ہو جائے گا
تیری محبتوں میں زندگی حسیں گزری
غم بھی تیرا اب عمر بھر رلائے گا
جس چھاؤں میں پروان چڑھی یہ زندگی
کب گماں تھا وہ سایہ یوں اُٹھ جائے گا

اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین

عابدہ [illegible] تون۔ لاہور

اقصیٰ عبدالمنان ہاشمی

''ابو جی''

ایک بیٹی کا آنسوؤں سے گندھا ہوا خراج عقیدت

وہ واردات ڈکیتی کی حکایت تھی یا جانے خاندانی تعلق کا کوئی بگاڑ۔ جس کی تفصیل وہ مکمل سنا چکے تھے۔

''ابو آپ کو اتنی کہانیاں کیسے آتی ہیں؟''۔ پاس بیٹھی بیٹی جس کا شعور معاملے کی سنگینی جانے بغیر کہانی کا نام دینے جتنا تھا، نے پوچھا۔

''بیٹا یہ کہانی نہیں خبر تھی......'' انہوں نے اخبار آگے سرکاتے ہوئے بتایا۔

''اس اخبار سے پڑھی ہے میں نے...... آپ کو اخبار پڑھنا آتا ہے؟''۔

''نہیں......'' بیٹی نے نفی میں سر ہلایا۔

''کل سے میں آپ کو پڑھنا سکھاؤں گا۔''

چند مہینوں میں ہی بیٹی اخبار، اداریہ، کالم، شہ سرخیاں فر فر پڑھنے لگی۔ پاس بٹھا کے املا لکھواتے، اردو، سائنس، حساب سب خود سے پڑھاتے۔ نتیجہ جلد ہی ظاہر ہوا۔ بیٹی اپنی جماعت میں اول آئی۔ وہ بے حد خوش ہوئے، اور پوچھا۔

''آپ اول آئی ہو بیٹا تو بتاؤ کیا تحفہ لینا ہے؟''۔

''کچھ بھی نہیں'' بیٹی نے نفی میں سر ہلایا۔ باپ کی محنت پہ تحفہ کیوں لیتی؟۔

تحفہ تو ابو کو ملنا چاہیے۔ بیٹی کی سوچ کی رسائی یہاں تک تھی۔

''نہیں کچھ تو لے لو......''

''نہیں کچھ بھی نہیں......''

''کھانے پینے کی کوئی چیز......؟؟''

''نہیں......!!!''

''کپڑے، جوتے، بیگ؟؟؟''۔

''نہیں......''

''نہیں کچھ تو ہونا چاہیے۔ بتاؤ کیا چاہیے؟؟''

''گھڑی چاہیے۔'' باپ کے اصرار پر آخر اس نے بتا ہی دیا۔

''لو ابھی لے لو......'' باپ نے اپنے ہاتھ [illegible] گھڑی اتار کے بیٹی کی کلائی میں پہنائی جو کہنی تک آ گئی۔

''یہ نہیں لیتی'' ...... بیٹی نے فوراً اتار دی۔

''کیوں؟؟؟''۔

''یہ بڑی ہے اور پیاری بھی نہیں ہے۔ چھوٹی سی پیاری سی لگتی ہے۔'' بیٹی نے بالآخر فرمائش کر ہی دی۔

کچھ ہی دنوں بعد وہ نازک نگینوں سے مرصع گھڑی لے آئے۔

املاء اردو، حساب میں بیٹی کی کبھی کوئی غلطی نہ ہوئی تھی۔ ہوتی بھی کیسے۔ وہ بلا ناغہ صبح و شام پڑھاتے۔

پرائمری کے بعد نزدیکی شہر میں خود گئے داخلہ دلوانے۔ رکشے والا وقت کا پابند تھا مگر بسا اوقات گاؤں میں کچھ ایسا ہو جاتا کہ وہ جا نہ پاتا، تمام لڑکیاں گھروں کو واپس لوٹ جاتیں مگر وہ خود بیٹی کو چھوڑنے شہر آتے۔ گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں، ہوم ورک ملا۔ انہوں نے اپنی نگرانی میں سارا ہوم ورک کروایا۔ بیٹی فطرتاً کم گو تھی اس دن بھی سب سے پیچھے بیٹھی کلاس میں...... ٹیچر باری باری ہوم ورک چیک کرتی رہیں۔ کسی کو بٹھا دیتیں، کسی کو کھڑا کرتیں اور کسی کسی کی پٹائی بھی، اپنی باری پہ وہ بھی رجسٹرز اٹھائے لرزتی ٹانگوں سے ٹیچر کے پاس گئی۔

''آپ نے خود لکھا ہے یہ سب۔'' ٹیچر کی نظروں میں [illegible]ئش تھی۔

''[illegible]ی......''

''بہت اچھا لکھا ہے''۔ ٹیچر نے پوری کلاس سے تالیاں بجوائیں۔

''وہاں پیچھے کیوں بیٹھی ہو؟؟'' ٹیچر نے پوچھا۔

''آگے مجھے کوئی بیٹھنے نہیں دیتا''۔ بیٹی نے سادگی سے بتایا۔

''آپ بیگ اٹھاؤ اور آگے آ کر بیٹھو......'' انہوں نے کہا۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ آگے ہی رہی۔

''اُف مِس نے آج بتایا کتاب لانے کا۔ اتنی جلدی صبح کیسے لائیں گے'' لڑکیوں کو پریشانی گھیرے رہتی۔

''میرے ابو ہیں نا۔ میں آدھی رات کو بھی اُن کو اٹھا کے کسی نوٹ بک کا کہوں تو لا دیں''۔ بیٹی کا فخر بلا وجہ نہیں تھا۔

گاؤں کی بات الگ تھی بیس پچیس کی تعداد میں پوزیشن لینا۔ شہر میں اتنا بڑا اسکول تین تین سیکشنز اور ہر سیکشن میں اتنے طالب علم۔ کوئی ٹیوشن بھی نہیں۔ باپ کو بیٹی کے نتیجے کی تشویش ہی رہی تاوقتیکہ نتیجہ آ نہیں گیا۔ بیٹی نے سیکنڈ پوزیشن لی۔ وہ بے حد خوش ہوئے۔ ہر بار پوزیشن پہ انعام دیتے۔

آٹھویں جماعت میں تھی بیٹی نے جب پہلی بار پھول کے کوئز میں حصہ لیا اور لطیفے وغیرہ بھیجے۔ اگلی بار ہی شائع ہو گئے سب سے زیادہ خوشی باپ کو ہی ہوئی۔ پھر اک سلسلہ تھا جو چل نکلا۔ میرے نام کے ساتھ ابو کا نام کیوں نہیں؟؟؟ وہ ہمیشہ ام اقصیٰ کی بجائے اقصیٰ عبدالمنان ہاشمی لکھتی۔

میٹرک کا امتحان ہوا۔ بیٹی سے زیادہ باپ کو فکر رہی۔ پرچہ ختم ہونے [illegible] بعد چند [illegible]نٹ بعد ہی فون کر کے پوچھتے۔ ''کیسا [illegible] چہ؟''۔

''اچھا [illegible] ابو''۔

''کتنے نمبر آئیں گے؟''۔
''یہ تو نہیں پتا ابو''۔
''اندازہ ہو جاتا ہے''بیٹی کبھی اندازہ بتا دیتی کبھی خاموش رہتی۔
رزلٹ سے پہلے ہمیشہ پوچھتے۔''کون سی پوزیشن آئے گی اس بار؟''۔
تمام رول نمبرز، ڈیٹ شیٹس وہ اپنے کام کی فائلوں میں سب سے اوپر رکھتے۔کالج میں داخلے سے لے کر سب کام انہوں نے خود کیے۔بیٹی کو کالج چھوڑنے جاتے تو اکثر کتابیں خود پکڑ لیتے۔
بیٹی فطرتاً شرمیلی تھی یا جانے کچھ اور...... اخبار، میگزین میں جو تحریر شائع ہوتی چھپا لیتی۔باپ کو پھر بھی پتہ چل جاتا۔ایک دن فرمائش بھی کر ڈالی۔ہوا کچھ یوں کہ باپ بیٹی دونوں جا رہے تھے کہیں راستے میں میلہ لگا تھا۔ننگے سر ننگے پاؤں جھومتی عورتیں۔
''بیٹا ان پہ بھی کچھ لکھو''۔
''ابو اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے ایسے لوگ ناراض ہوتے ہیں''۔
''مزاحیہ انداز میں لکھو۔نصیحت مزاح میں پُر اثر ہوتی ہے''۔
ایف اے، بی اے کے رزلٹ پہ بھی بہت خوش ہوئے۔انعام سے نوازا۔
بچپن میں کبھی بیٹی نے بچوں کے میگزین کی فرمائش کی تھی۔بیٹی یونیورسٹی میں چلی گئی وہ پھر بھی اسی ذوق و شوق سے لاتے۔نو سال ہو گئے وہ ہر ماہ باقاعدگی سے رسالہ ''پھول'' لاتے۔''پھول'' میں کوئی تحریر چھپنے، انعام ملنے پر بے حد خوش ہوتے۔
اُس دن کا آغاز ہی عجیب ہوا تھا۔بیٹی کو بات بے بات رونا آ رہا تھا۔
بیٹی کا پیپر تھا۔باپ نے چھوڑنے جانا تھا۔
''ناشتہ کر لو بیٹا پھر چلتے ہیں''۔
''شناختی کارڈ تو ہے نا تمہارے پاس؟''باپ نے ہاتھ دھوتے ہوئے پوچھا۔
''شناختی کارڈ نہیں چاہیے ہوتا''۔بیٹی نے غائب دماغی سے کہا۔
''او وہ شناختی کارڈ تو بہت ضروری ہوتا ہے۔''اچانک بیٹی کو ہوش آیا۔
وہ اولاد کے معاملے میں ایسے ہی تھے۔اکثر بیٹی کالج جانے کے لیے تیار ہو [illegible] ہاتھ میں نوالہ ہوتا مگر وہیں رکھ دو [illegible] چھوڑ کے آتے
اور واپس آ کے ناشتہ مکمل کرتے۔
''ارم میرا رول نمبر نہیں مل رہا۔''بیٹی پانچ بار سب لسٹیں دیکھ چکی تھی تو سہیلی سے پوچھا۔
''اپنی سلپ دیکھو تمہارا سینٹر بوائز کالج نہ ہو۔بہت سی لڑکیوں کا وہی ہے۔''ارم کے کہنے پہ سلپ دیکھی سینٹر بوائز کالج ہی تھا۔
''ارم تمہارے پاس موبائل فون ہوگا۔''بیٹی گھبرا گئی۔
جھٹ سے باپ کو فون کیا۔
پیپر کے بعد وہ کچھ خاموش سے بائیک کے پاس کھڑے تھے۔
''پیپر مشکل تھا؟''گیٹ سے نکلتے انہوں نے پوچھا۔
انداز ایسا تھا کہ پوچھ رہے ہوں زندگی مشکل ہے بیٹا۔
تبھی بیٹی کے منہ سے بے ساختہ ''جی'' نکلا۔
''نہیں نہیں ابو مشکل نہیں تھا۔''راستے میں قدرے خاموش تھے ورنہ وہ تمام راستے باتیں کرتے، راستے میں بار بار موٹر سائیکل آہستہ کر کے پوچھتے۔کچھ چاہیے بیٹا؟ کچھ لینا ہے؟ پانی پی لیں؟ کولڈ ڈرنک پی لو؟''بیٹی کے منہ سے ہمیشہ ''نہیں'' نکلتا تو اکثر یوں کہتے ''پی لو بیٹا اس بہانے میں بھی پی لوں گا''۔
آتے ہی کھانا کھا کے وہ لیٹ گئے۔صبح ان کو ہلکا سا بخار ہو رہا تھا۔گھر میں پڑی دوا لے لی۔اولاد میں سے کوئی بیمار ہوتا وہ ہمیشہ ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتے۔خود اپنی طبیعت خراب ہوتی تو کہتے گھر میں پڑی دوا ہی دے دو۔دوا کے بعد ان کی صحت قدرے بہتر ہو گئی۔سو سب کام نپٹاتے رہے۔رات کو پھر سے ان کو تیز بخار ہو گیا۔صبح اٹھتے ہی ہسپتال لے گئے۔ڈرپ وغیرہ لگوائی۔دوا لی مگر دن بھر ان کو بخار رہا۔رات بیٹے نے ڈاکٹر کو گھر بلا کر ان کا بلڈ ٹیسٹ کروایا۔نارمل بخار تھا۔اگلے دن صبح پھر ڈاکٹر کے پاس گئے ڈرپ لگوائی مگر حالت بہت خراب ہو گئی۔اچانک سے بولنا بند ہو گئے۔جلدی سے انہیں ہسپتال لے جایا گیا وہاں پہنچتے مکمل بے ہوش ہو چکے تھے۔چودہ دن مسلسل بے ہوش رہے۔ان کی رپورٹس ہر بڑے ہسپتال میں دکھائی گئیں مگر سب نے یہی کہا۔یہاں بہترین علاج ہو رہا ہے۔
بیٹی ملنے گئی پکارتی رہی۔''ابو، ابو جی''ایک پکار پہ لبیک کہنے، ہر فرمائش پوری کرنے والے نے آنکھیں تک نہ کھولیں۔تبھی کرخت سے سکیورٹی گارڈ نے الارم بجا دیا۔جلوبی بی ٹائم ختم۔لوٹتے ہوئے بیٹی نے دیکھا باپ کی [illegible] کے [illegible] انی [illegible] رہا تھا۔[illegible] کتنی کوشش کی ہوگی انہوں [illegible] بیٹی کی پکار کا جواب دینے کی۔چودہ
دن مسلسل ایمرجنسی میں رہے اور پندرھویں دن گھر چلے آئے بالکل ساکت۔ہمیشہ کے لیے خاموش، وہ جو ایک پل فارغ نہ بیٹھتے بیمار ہونے پر کام میں لگے رہتے۔صدقے، خیرات، دعائیں بے انتہا کی گئیں مگر موت ان چیزوں سے ٹلی ہے کبھی۔شہر میں جنازے کے بعد ان کو آبائی گاؤں لے جایا گیا۔اک ہجوم تھا لوگوں کا۔رونے والوں کا۔شاید تیسرے دن کی بات ہے۔بیٹی بیٹھی رو رہی تھی۔اک بوڑھی اماں نجانے کون تھی؟ کہاں سے آئی...... بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کے بے تحاشا روتے ہوئے کہنے لگی۔''تمہارا باپ تھا۔بیٹی تمہارا رونا تو بنتا ہے۔مجھ سے پوچھ میرے لیے کیا تھے وہ؟؟ میرے بیٹے کی طرح اور بیٹے کی طرح ہی میری خدمت کرتے تھے۔''
یادیں اتنی ہیں کہ تحریر کرنے بیٹھو تو لائبریریاں بن جائیں۔خدا تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے۔آمین۔

If tears could build a stairuay and memories a lane... I would walk right upto heaven... and bring you back again...!!!

بابا

اب ناز میرے کوئی اٹھاتا نہیں ہے بابا
میں دیر تلک بھی روؤں تو چپ کراتا نہیں ہے بابا
اس ذہن و دل تلک رسائی صرف آپ کی تھی بابا
اب کھلے لفظوں میں بھی کہوں تو ناشناسا ہوں میں بابا
کیوں بے وجہ ہوں روئی کیوں دیر تلک میں سوئی
اب پرواہ یہ کسے ہے کوئی خیال کرتا نہیں ہے بابا
میرے آنسو تھے نایاب، میرے آنسو اک خزانہ
اب دریا دریا بہاؤں تو بھی بے مول ہوں میں بابا
تیری اک پری تھی میں تو تیری دور دیس کی شہزادی
اب انسان کوئی سمجھے تو یہ بھی احسان اس کا بابا
میری فضول سی خواہشیں تیرے لیے کتنی اہم تھیں
اب ضرورتوں پہ بھی سمجھوتے کی بکل مار دی ہے بابا
میں یہ زخم زخم داستاں دل مردہ میں لیے پھرتی ہوں
کوئی سنتا نہیں ہے بابا کوئی سمجھتا نہیں ہے بابا
اب عام ہو گئی ہوں پہلے خاص میں بہت تھی
وہ [illegible] تو تھا [illegible] دل جو رہا نہیں ہے بابا

اقصیٰ عبدالمنان ہاشمی۔چونیاں

☆☆☆

باپ

عزیز تر مجھے رکھتا ہے وہ رگ و جان سے
یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے
وہ ماں کے کہنے پر کچھ رعب مجھ پہ رکھتا ہے
یہ ہی وجہ ہے کہ وہ مجھے چومتے ہوئے جھجکتا ہے
وہ آشنا میرے ہر کرب سے رہا ہر دم
جو کھل کے رو نہیں پایا مگر سسکتا ہے
جڑی ہے اس کی ہر اک ہاں میری ہاں سے
یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے
ہر ایک درد وہ چپ چاپ خود پہ سہتا ہے
تمام عمر سوائے میرے وہ اپنوں سے کٹ کر رہتا ہے
وہ لوٹتا ہے کہیں رات کو دیر گئے دن بھر
وجود اس کا پسینے میں ڈھل کر بہتا ہے
گلے رہتے ہیں پھر بھی مجھے ایسے چاک گریباں سے
یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے
پرانا سوٹ پہنتا ہے کم وہ کھاتا ہے
مگر کھلونے میرے سب خرید کر وہ لاتا ہے
وہ مجھے سوئے ہوئے دیکھتا رہتا ہے جی بھر کے
نجانے کیا کیا سوچ کر وہ مسکراتا رہتا ہے
میرے بغیر تھے سب خواب اس کے ویران سے
یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے

انتخاب: محمد بختیاور عباس بلو۔ روہیلانوالی

بولتی چڑیا

مرے بابل
میں اک بولتی چڑیا
میں اکثر گنگناتی تھی
تیری بانہوں کے جھولے میں
بڑا احساس پاتی تھی
کبھی بازار جاتی تھی
کئی گڑیاں بھی لاتی تھی
سنہرے بال والی بھی
کہ جن سے کھیلتی تھی میں
چہکتی تھی، مچلتی تھی
میں خود کو ساری دنیا میں
اگر بابا کی آنکھوں میں
میری معصوم سی پلکیں
مجھے بانہوں میں بھر کر وہ
کبھی بھی کوئی نہ آنسو
کوئی بھی غم کبھی بھی پاس نہ آئے
یونہی جھولتی جاؤ
کبھی میں نے نہ سوچا تھا
گئے جب سے
تمہارے بن یہ کانٹے دار دنیا
سلگتی اور جھلستی دھوپ میں چپ چاپ چلنا ہے
میرے بابا!
تو اس دن سے
خلا میں گھورتی ہیں اب
تجھی کو ڈھونڈتی ہیں اب!

تیرے آنگن کی
تیری آغوش میں آ کر
بڑا ہی مسکراتی تھی
تحفظ کا، محبت کا
تیری انگلی پکڑ کر جب
تو اپنے ساتھ بابا میں
گلابی گال والی بھی
ستارہ سی چمکتی بولتی گڑیا
میں ہنستی تھی، اچھلتی تھی
بڑا ہی ناز کرتی تھی
بڑا مضبوط پاتی تھی
کبھی شبنم بھی دیکھی تھی
جو اکثر بھیگ جاتی تھیں
یہی کہتے
تمہاری آنکھ میں نہ آئے
سدا خوشیوں کے جھولے میں
مگر بابا!
مجھے تم چھوڑ کے تنہا
تو اس دن سے
اکیلے کاٹنی ہوگی
کوئی شکوہ نہیں کرنا کوئی بھی ضد نہیں کرنی
گئے ہو تم مجھے یوں چھوڑ کے تنہا
وہ بچپن کی وہی معصوم سی گڑیا
خلاؤں میں، فضاؤں میں

ثمینہ گل۔ سرگودھا

میرے ابو

میرے ابو پر رب کا فضل و کرم
سب کو ان پر ہے بھرم
میرے ابو سب سے اچھے
اپنے وعدے کے ہیں سچے
محنت کر کے دام کمائیں
رزق حلال ہمیں کھلائیں
گھر کا سارا خرچ چلائیں
ہم بھی ان کا ہاتھ بٹائیں
شہر میں اچھی شہرت ان کی
کرتے ہیں سب عزت ان کی
دفتر سے جب گھر وہ آ [illegible]
میٹھے پھل ساتھ لے آ [illegible]
کرتا ہے دل ان کا جیت [illegible]
یعنی ان کے ہر کام کا [illegible]

شہر یار احمد، گوجرانوالہ

باپ کے نام

محنت کر کے یہ روزانہ
لائے گھر میں آب و دانہ
ماں کے قدموں میں ہے جنت
باپ ہے جنت کا پروانہ
اسکی عظمت کے گن گائے
ہر سو دیکھو آج زمانہ
منبع ہے یہ شفقت کا
خوشیوں کا ہے خوب خزانہ
اس کی خاطر لکھ فراست
جذبوں کا تو بھی نذرانہ

سید فراست بخاری

میرے والدین

میری زندگی کی سویر میں
میرے راستوں کے اندھیر میں
میرے والدین ، محترم تو
عنایتوں کے چراغ ہیں
میری ابتدائے دُعا یہی ہے
میری انتہائے دُعا یہی ہے
میری التجا ہے تو بس یہی
اے خدائے واحد و لم یزل
[illegible] ہو چاہے [illegible] مات میں ہو
[illegible] کے [illegible] ہاتھ میں ہو

شاعر: محمد فیاض شدوخیل، کندیاں

فرح اکرم

قارئین کی منتخب تحریروں سے سجا رنگا رنگ سلسلہ

آنگن

دلچسپ، معلومات اور رنگا رنگ تحریروں کا گلدستہ

زندگی ہے

زندگی ہے مگر قرار نہیں
اب کوئی موسم بہار نہیں
ہم سے بچھڑے ہیں آپ کیا بابا
اب تو رشتوں کا اعتبار نہیں

نیلما تصور۔ اسلام آباد

والدِ محترم کی نذر

راہ گزر پہ کس نے ہے دیپک جلا دیا
گم گشتہ، راہ روکو راہبر بنا دیا
شاید کسی نے دیکھا ہے مجھ کو نقاب سے
تاریک منزلوں کو میری جگمگا دیا
یکتا تھا دہر میں وہ اُمید کا دیا
اے موت! تو نے کیونکر اس کو بجھا دیا
جس رشکِ ماہتاب سے جاگا میرا نصیب
قسمت کے تیز دار نے اس کو سُلا دیا
تھی فصل گل اور آشیاں شاخ بلند تر
ایسی گری ہے برق، نشیمن جلا دیا

شہینہ گل۔ سرگودھا

باپ

☆ باپ کا حکم مانو تا کہ خوشحال ہو سکو۔
☆ باپ کی عزت کرو تا کہ فیضیاب ہو سکو۔
☆ باپ کا احترام کرو تا کہ تمہاری اولاد تمہارا احترام کر سکے۔
☆ باپ کے سامنے اونچا مت بولو ورنہ اللہ تعالیٰ تم کو نیچا کر دیگا۔
☆ باپ کے سامنے نظر جھکا کر رکھو تا کہ اللہ تمہیں دنیا میں بلند رکھے۔
☆ باپ کی باتیں غور سے سنو تا کہ دوسروں کی سننی نہ پڑیں۔
☆ باپ ایک مقدس محافظ ہے جو ساری زندگی خاندان کی نگرانی کرتا ہے۔
☆ باپ ایک ذمہ دار ڈرائیور ہے جو گھر کی گاڑی کو خون کے پسینے سے چلاتا ہے۔
☆ دکھ دے کر باپ کے آنسو نہ گراؤ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت سے گرا دے گا۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

"باپ جنت (میں داخلے) کا سب سے بہترین دروازہ ہے۔ اب تم اس دروازے کو (نافرمانی کے ذریعے) ضائع کر لو یا (فرمانبرداری) کے ذریعے اس کو محفوظ کر لو۔"
(ابن ماجہ: 3663)

زینب بیگ۔ لاہور

میرے بابا!

گئے ہو تم مجھے یوں چھوڑ کے تنہا
تو اس دن سے
وہ بچپن کی وہی معصوم سی گڑیا
خلائیں گھورتی ہیں اب
خلاؤں میں، فضاؤں میں
تجھی کو ڈھونڈتی ہیں اب!

میری خاطر

میری خاطر میرے باپ نے محنت میں عمر گزاری
آپ کریں آرام ابا جی اب ہے میری باری
سایہ دار درخت ہیں آپ تو ٹھنڈی چھاں ہے تیری
اب میں کروں گا آپ کی خدمت اب ہے باری میری
آج بھی مجھ کو یاد ہے وہ موسم مٹی ڈھول
آپ کی انگلی پکڑ کے جب میں جاتا تھا اسکول
آپ کا رہے سلامت سایہ آپ میری پہچان
میری شکل میں میرا ابا پھر سے ہوا جوان
جس نے ہمیں تعلیم دلوا کے دیا بلند مقام
میری نظر میں میرا والد ہے عظیم انسان
اپنی ہر خواہش کو اس نے میری خوشی پر وار دیا
[illegible] میں نے مانگا کبھی بھی نہ انکار کیا
[illegible] نے کی وفا تو اپنے باپ کا قرض چکاؤں گا
لطیف [illegible] دکھ نہ پہنچے اپنا فرض نبھاؤں گا

حاجی محمد لطیف کھوکھر۔۔۔۔ لاہور

سنہرے موتی

☆ باپ کا بڑھاپے میں سہارا بنو اولاد تمہارا سہارا بنے گی۔
☆ جس نے اپنے ماں باپ کو خوش کر لیا گویا اس نے اللہ کو خوش کر لیا۔
☆ بوڑھے باپ کو دھکے مت دو ورنہ خدا تمہیں د[illegible]
☆ [illegible] باپ اس سے ناراض ہو [illegible]

حبیب الرحمٰن، محمد [illegible] عباس

سنہرے اقوال

☆ باپ جنت کا دروازہ ہے۔
☆ خدا کی خوشی باپ کی خوشی میں ہے اور خدا کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔
☆ جب تمہارے ماں باپ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو۔
☆ باپ اولاد کے لئے سایہ شفقت و محبت ہے۔
☆ محنت و مشقت کا خوگر باپ [illegible] اولاد کے لئے خود کو قربان کرتا ہے۔
☆ باپ کی چمکتی آنکھیں [illegible] اولاد کی ہر خوشی کیلئے [illegible] رہتی ہیں۔

عبدالجبار رومی انصاری۔ [illegible] لاہور

میرے ابو جان

میرے ابو جان مجسمۂ شفقت، خیال رکھنے والے، صاحب نظر، باشعور، میرے لیے بہت قیمتی، انمول ہیرا اور نہایت محترم ہیں۔

(فائزہ صلاح الدین۔انگلینڈ۔ ولد صلاح الدین ایڈووکیٹ۔لاہور)

پیارے والد

پیارے والد ہمارے پاس آپ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ ہماری رب سے دعا ہے کہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رہے اور آپ کی چشم و عنایت کا دریا بہتا رہے۔ دعا ہے رب سے کہ خدا آپ

کو صحت اور لمبی عمر عطا فرمائے اور آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رہے۔ پیارے ابو جان آپ ہمیشہ مسکراتے رہیں۔ ہم جلد ہی اس قابل ہو جائیں گے کہ آپ کے کام آسکیں اللہ ہم سب کو یہ توفیق دے کہ آپ کی فرمانبرداری کریں اور آپ کی عزت پر کوئی آنچ نہ آنے دیں۔

کنزہ اسلم، زبیر اسلم، محسن اسلم، ایمن اسلم۔ گوٹ ادو

اپنے والد صاحب کو خراج تحسین

1- میرے والد صاحب ایک سچے اور پکے مسلمان تھے اور وہ پانچ وقت کی نماز باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔

2- میرے والد صاحب قرآن پاک کی روزانہ خود بھی تلاوت کرتے تھے اور ہمیں بھی ایسا کرنے کو کہتے تھے۔

3- آج وہ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں مگر ان کی یادیں اور باتیں میرے دل میں اب بھی موجود ہیں۔ جنہیں میں سوچ کر ان کی یادیں دہراتی ہوں۔

ثروت یعقوب۔لاہور

بہت اچھے

میرے ابو بہت اچھے ہیں۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔

محمد شہباز عباس ولد غلام عباس۔ روہیلانوالی

پیارے ابا جان

مولانا شوکت علی قادری

عزیز از جان پیارے بابا جان آپ کے بارے میں کیا لکھیں آپ سے کیا میں کہیں؟ حرف بے معنی اور لفظ گونگے ہیں۔ ہماری کامیابیاں آپ ہی کے دم سے ہیں آپ کی ہمتوں عظمتوں کو لاکھوں سلام اور اک دعا آپ کے نام۔

خدا کبھی نہ کرے غم سے ہمکنار آپ کو
دعا دیتا ہے یہ دل بار بار آپ کو۔

پیکر حسن ودفا، کان خلوص ومروت منبع محبت، سراپا شفقت قبلہ بابا جانی آپ کی ہستی کو چند لفظوں میں سمیٹوں کیسے......؟

آپکا کردار تو لگتا ہے مجھے آکاش کیطرح۔

آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اس بار ہمیں بھی مدینہ شریف لے کے جائیں گے۔ آپ کو شاید یاد نہ ہو! یہ پیارا پھول آپ کو یاد کروا دے گا۔ آپ بہت اچھے ہیں تب تو اور بھی اچھے لگیں گے جب آپ

محمد انس قادری

عازم سفر مدینہ ہو نگے اور ہم آپ کے ہمسفر مدینہ۔ آپ سدا سلامت رہیں۔ آمین۔

عالیہ ماہتاب قادری، حمیدہ فاطمہ قادری، طیبہ فاطمہ قادری، محمد انس نورانی قادری۔ تا...

میرے والد

میرے پیارے والد بابا جان، میرے لیے کھلونے لے کر آتے ہیں۔ وہ اپنی بہت سی مصروفیات کے باوجود میرے ساتھ کھیلتے بھی ہیں میں اپنے بابا جان کو پسند کرتا ہوں۔ میں اپنے ابو سے محبت کرتا ہوں۔

عمیر صلاح الدین۔ ولد ڈاکٹر محمد ارشد۔ انگلینڈ

پیارے ابا جان

(ریاض احمد قادری کے بیٹوں کے اپنے ابا جان کے بارے میں جذبات)

مجھے اپنے ابا جان بہت اچھے لگتے ہیں۔ وہ کالج میں پڑھاتے ہیں ہمیں کالج کی سالانہ سپورٹس میں لے جاتے ہیں جہاں ہم دوڑ میں حصہ لیتے ہیں اور انعامات جیتتے ہیں۔ ابا جان ہم سے بہت محبت کرتے ہیں محفلوں کا سلسلہ تو سارا سال چلتا ہے۔ گھر میں بھی محفل نعت باہر بھی محفل نعت۔ ابا جان نقیب محفل ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں ہمیشہ ان محفلوں میں ساتھ لے جاتے ہیں اور کہتے

احسان احمد قادری، اسرار احمد قادری، احسن ریاض اور توصیف اپنے والد پروفیسر ریاض احمد قادری کے ساتھ

ہیں محافل سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ ہمارے دوست بھی ہیں ہماری پسند کی چیزیں لاتے ہیں۔ وہ بہت ملنسار، مہمان نواز اور خوش اخلاق ہیں۔ پورا گھر کتابوں سے بھرا پڑا ہے جو انہوں نے لکھی یا شائع کی ہیں۔ ہم یہ کتابیں پڑھتے رہتے ہیں اور اپنے علم میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے ہمارے والد کا بہترین تحفہ اور قابل قدر ورثہ ہے۔ اللہ سے دعا ہے وہ ہمارے ابا جان کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ ان کی خواہش ہے میں اردو کا شاعر اور ادیب بنوں اور اردو میں ہی ایم اے کر کے ا... ...ں پی ایچ ڈی کروں۔ دعا کریں اللہ مجھے اس مقصد میں کامیاب کرے آمین۔

احسان احمد قادری، اسرار احمد قادری، احسن ریاض۔ فیصل آباد

بابا آپ بہت اچھے ہیں۔

اروٰی یوسف۔ جماعت ہفتم

والدین ہر انسان کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے ایسا تحفہ یا نعمت ہے جو بار بار نہیں ملتا۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب ہمارے والدین نے بچپن میں ہماری آسائش و آرام کا خیال رکھا' ابو نے کھیلنے کی چیزیں لا کر دیں اور جب ہم تھوڑے سے بڑے ہو جائیں گے تو کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم بھی اُن کی خدمت کریں اور اُن کی عزت کریں تاکہ وہ بھی خوش ہو جائیں اور ہمارا فرض بھی پورا ہو جائے۔

ہمارے والد صاحب جو پڑھائی کے معاملے میں بس یہی چاہتے ہیں کہ جب میں گھر آؤں تو میرے بچوں نے اپنا سبق پڑھا ہو اور اگر بدقسمتی سے ہم نے نہ پڑھا ہوا ہو تو اُن کا موڈ خراب ہو جاتا ہے مگر پھر ہم اگر اُن کے سامنے پڑھ بھی لیں تو پھر بھی یہ گلہ ضرور رہتا ہے کہ ہم نے دن میں نہیں پڑھا' اس لئے میں اپنے ابو جی کو خوش کرنے کے لئے

اروٰی یوسف مشہور شاعر اور اداکار امجد اسلام امجد، اپنے بھائی اور اپنے والد کالم نویس و مزاح نگار یوسف عالمگیرین کے ساتھ

اور ڈانٹ سے بچنے کے لئے تھوڑا بہت پڑھ لیتی ہوں تاکہ میرے ابو خوش ہو جائیں۔ سال میں ایک دفعہ ہی (Fathers Day) آتا ہے اگر ہم اُس دن بھی اپنے ابو کو کارڈ وغیرہ کچھ نہیں دیں گے تو اس مقررہ دن کا کیا فائدہ ہوا۔

اس لئے میں ہر فادرز ڈے پر اپنے ابو کو کارڈ بنا کر دیتی ہوں مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم پورا سال اپنے ابو کا کوئی کام نہ کریں یا کوئی بات نہ مانیں۔ اس دن کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس دن پر جتنا بھی اپنے ابو کے لئے کر سکتے ہیں' کریں۔ اپنے والد کے سامنے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کرنی چاہئے۔

ہمارے ابو ہمیں ہمیشہ محنت کر کے آگے بڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نقل اور سفارش کے ذریعے اچھے نمبر لینا اُن کو اچھا نہیں لگتا۔ انہیں سلیقے سے رہنا اچھا لگتا ہے۔ وہ ہمیں بھی صاف ستھرا اور اچھا اچھا رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور زندگی میں محنت کرنے کا کہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں ہم مستقبل میں بہت کامیاب ہوں اور ایسا صرف اور صرف دل سے محنت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی خاص برکت سے ممکن ہو سکتا ہے۔ اُنہیں ہمارا اسکول کے علاوہ دیگر کتابیں پڑھنا بھی اچھا لگتا ہے کہ اس سے انسان کا علم بڑھتا ہے۔

وہ کہتے ہیں نہ کہ بیٹیاں اپنے باپ کے زیادہ قریب ہوتی ہیں تو شاید اسی لئے میں ابو کو کافی حد تک جانتی ہوں۔ مجھے اپنے ابو سے بہت محبت ہے۔ میں اپنے ابو سے جو فرمائش کروں میرا نہیں خیال کہ انہوں نے کبھی پوری نہ کی ہو۔ البتہ یہ تو کافی دفعہ کہا ہے کہ ابھی نہیں کچھ دنوں بعد سہی مگر کبھی منع نہیں کیا۔ تو اگر ہمارے ابو ہمیں کسی بات سے منع کرتے ہیں تو اُس میں بھی کوئی نہ کوئی بہتری ہوتی ہے۔

"میرے ... سب ... اچھے ابو ہیں"

اکرم سحر فارانی کے والد محمد اشرف خان مرحوم

باپ

رزم ہستی میں عزائم کا علمدار ہے باپ
اپنی اولاد کے کردار کا معمار ہے باپ
جسم لاغر ہے پسینے میں شرابور بھی ہے!
غم کے لشکر سے مگر برسرپیکار ہے باپ
سارے کنبے کیلئے ڈھال ہے اس مقتل میں
ہر ستم گر کے لئے راہ کی دیوار ہے باپ
چل نہیں سکتے تو کاندھوں پہ بٹھا لیتا ہے
بچے چھوٹے ہوں تو انکے لئے رہوار ہے باپ
بکتے دیکھا جسے اولاد کی خوشیوں کے لئے
میری دانست میں قدرت کا وہ شہکار ہے باپ
بھوکا رہ کر بھی کھلاتا ہے جگر گوشوں کو
عظمت مہر و وفا پیکر ایثار ہے باپ
اتنا مصروف ہے بچوں کی کفالت کیلئے
ہیں سبھی سوئے ہوئے رات کو بیدار ہے باپ
بوڑھا ہو جائے تو چپ چاپ پڑا رہتا ہے
مانگتا کچھ نہیں بچوں سے کہ خوددار ہے باپ
سایہ دیتا ہے برگد کے شجر کی صورت
مال و زر کا نہ کسی شے کا طلبگار ہے باپ
جسکی خوشبو سے معطر ہیں مرے شام و سحر
میری نظروں کے تناظر میں وہ گلزار ہے باپ

اکرم سحر فارانی۔ لاہور

اکرم سحر فارانی۔ شاعر۔ ٹریفک اے ایس پولیس انسپکٹر

نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے زیر اہتمام ایوان کارکنان تحریک پاکستان میں قائم نظریاتی سمر سکول کے چودھویں سالانہ تعلیمی سیشن کی افتتاحی تقریب سے ڈاکٹر مجید نظامی اور سید غوث علی شاہ خطاب کر رہے ہیں۔

طلبہ تاریخ کا مطالعہ ضرور کریں نئی نسل قائداعظمؒ علامہ اقبالؒ کو کبھی نہ بھولے: ڈاکٹر مجید نظامی

ڈاکٹر مجید نظامی نئی نسلوں کی تربیت کر کے قومی فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ غوث علی شاہ

نظریاتی سمر سکول کی افتتاحی۔ اعلیٰ کارکردگی پر بچوں میں انعامات تقسیم کیے گئے

آزادی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ طلبا و طالبات سب سے زیادہ توجہ اپنی پڑھائی پر دیں اور تاریخ کا ضرور مطالعہ کریں تاکہ انہیں حقائق سے آگہی حاصل ہو سکے۔ نئی نسل قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کو کبھی نہ بھولیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے نظریہ پاکستان دیا جبکہ قائداعظمؒ نے ہمیں پاکستان لے کر دیا۔ ان خیالات کا اظہار تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن، ممتاز صحافی اور چیئرمین نظریہ پاکستان ٹرسٹ ڈاکٹر مجید نظامی نے ایوان کارکنان تحریک پاکستان، شاہراہ قائداعظمؒ لاہور میں جاری اپنی نوعیت کے منفرد پروگرام نظریاتی سمر سکول کی باضابطہ افتتاحی تقریب میں اپنے صدارتی خطاب کے دوران کیا۔ تقریب کے مہمان خاص سابق وزیراعلیٰ سندھ سید غوث علی شاہ تھے جبکہ اس موقع پر نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے وائس چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد اور سیکرٹری شاہد رشید بھی موجود تھے۔ نظریاتی سمر سکول کا اہتمام نظریہ پاکستان ٹرسٹ نے تحریک پاکستان ورکرز ٹرسٹ کے اشتراک سے کیا ہے جو ایک ماہ تک جاری رہے گا۔ ''پاکستان سے پیار کرو'' کا ماٹو رکھنے والے اس نظریاتی سمر سکول میں 6 سے 13 [illegible] کی عمر کے طلبا [illegible] کو اعلیٰ تعلیمی قابلیت کے حامل [illegible] کی [illegible] نگرانی [illegible] نظریہ پاکستان سے ہم آہنگ [illegible] اور [illegible] عام فہم انداز میں ذہنی و جسمانی نشوونما کے مواقع فراہم کیے جا رہے ہیں۔ پروگرام کے آغاز پر نظریاتی سمر سکول کے طلبا و طالبات نے تلاوت کلام پاک، نعت رسول مقبول ﷺ اور قومی ترانہ پیش کیا۔ اسامہ ظفر نے تلاوت کلام پاک کی سعادت حاصل کی جبکہ فائزہ نے بارگاہ رسالت مآب میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ پروگرام کی نظامت کے فرائض نظریاتی سمر سکول کی ہونہار طالبہ ملائکہ صابر نے انجام دیئے۔

ڈاکٹر مجید نظامی نے کہا آج سے تقریباً تیرہ برس قبل ہم نے فیصلہ کیا سمر سکول شروع کریں گے، تو میں نے کہا اس کا نام محض سمر سکول کافی نہیں بلکہ نظریاتی سمر سکول ہوگا جہاں بچوں کو نظریہ پاکستان کے بارے میں آگہی فراہم کرنے کے علاوہ انہیں بتایا جائے گا ہمارا پیارا ملک پاکستان کیوں اور کیسے بنا، اس کا نظریہ کس نے دیا جبکہ تحریک قیام پاکستان کے دوران مسلمانان برصغیر نے کتنی لازوال قربانیاں دیں۔ اس سکول میں بچوں کو یہ بھی بتایا جائے گا پاکستان کا ازلی دشمن بھارت ہے اور ہم نے ہر حال میں اس سے اپنی شہ رگ یعنی کشمیر کو واپس لینا ہے۔ ہماری نئی نسل کو معلوم ہونا چاہئے وہ آزاد پیدا ہوئے ہیں، ہماری [illegible] غلام [illegible] ہوئے [illegible] خوش قسمت [illegible] یہاں [illegible] اور [illegible] نیا پاکستان [illegible] آزادی [illegible] سب سے بڑی نعمت اور کسی ملک کے آزاد شہری کی حیثیت سے پیدا ہونا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ اس لئے اپنی آزادی کی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے آزادی کے حصول کیلئے ان تھک جدوجہد کر کے ہمیں آزاد فضاؤں میں زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ہم نے بھارت ماتا کے دو ٹکڑے کر کے پاکستان حاصل کیا۔ جہاں تک اس ایوان کا تعلق ہے تو یہ غلام حیدر وائیں کا تحفہ ہے۔ وہ امرتسر کے عام مہاجر تھے جو یہاں آ کر میاں چنوں میں سیٹل ہو گئے۔ انہوں نے متعدد ادارے بنوائے لیکن اپنے لیے کوئی گھر نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب کا وزیراعلیٰ بنا دیا۔ میں سمجھتا ہوں ایسے لوگوں کی وجہ سے آج آپ اور ہم اس ایوان میں موجود ہیں۔ پورے ملک میں حضرت قائداعظمؒ کے نام سے کوئی ایوان موجود نہیں تھا لہٰذا ہم نے لاہور میں بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ کے نام سے منسوب ایوان قائداعظم تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ ایوان انشاء اللہ اس سال مکمل ہو جائے گا۔

ڈاکٹر مجید نظامی نے طلبہ سے کہا وہ اپنی پڑھائی کی طرف مکمل توجہ دیں۔ علم کے بغیر انسان اس طرح کا نہیں بن سکتا جیسا اسے ہونا چاہئے۔ میری آپ سے درخواست ہے سب سے زیادہ توجہ اپنی پڑھائی پر دیں۔ نئی نسل تاریخ کا ضرور مطالعہ کرے تاکہ انہیں حقائق سے آگہی حاصل ہو سکے۔ سید غوث علی شاہ نے کہا قیام پاکستان سے قبل متحدہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں آباد تھیں۔ یہ دونوں قومیں ہر لحاظ سے الگ الگ قوم ہیں۔ پاکستان آسانی کے ساتھ حاصل نہیں ہوا بلکہ مسلمانان برصغیر نے آزاد وطن کے حصول کیلئے جان و مال اور عزت و آبرو کی بے شمار قربانیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج پاکستان عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت ہے اور دشمنوں کو جواب دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے میں ڈاکٹر مجید نظامی کا بڑا ہاتھ ہے۔ ڈاکٹر مجید نظامی اور ان کے رفقاء نئی نسلوں کی نظریاتی تعلیم و تربیت کر کے اہم قومی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ نئی نسل دنیاوی تعلیم کے ساتھ قرآنی تعلیم بھی ضرور حاصل کرے اور اپنی تاریخ کا ضرور مطالعہ کریں۔ نظریہ پاکستان کو زندہ رکھنا اور اس پر عمل کرنے میں ہی ہماری کامیابی ہے۔ بعدازاں سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ دوران تقریب ننھی طالبہ نوریا بابر نے خوبصورت انداز میں تقریر کر کے حاضرین کے دل موہ لئے۔ تقریب کے اختتام پر نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنیوالے طلبا و طالبات میں انعامات تقسیم کیے گئے۔ [illegible] دوران پروگرام بچوں کے گروپ نے بھرپور جوش و خروش سے ملی نغمے سنائے۔ پروگرام کا اختتام طلبہ کی جانب سے پاکستان، قائداعظمؒ، علامہ محمد اقبالؒ، مادر ملت محترمہ [illegible] اور نظریاتی سمر سکول زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے ہوا۔

مجید نظامی کی صاحبزادی ہونے پر فخر ہے

”میرے بابا“

میں بچپن میں ہی بابا کی بہت لاڈلی تھی

وہ بیرون ملک سے میرے لئے دیگر تحائف کے ساتھ کتابیں ضرور لاتے

رمیزہ مجید نظامی

میرے عزیز از جان بابا جان کی روزنامہ ”نوائے وقت“ کی ادارت کے پچاس سال پورے ہو چکے ہیں اور یہ کوئی معمولی اعزاز نہیں۔ ایسے اعزازات اور انعامات اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر ہی کرتا ہے اور میں بے حد خوش ہوں اور خوش کیوں نہ ہوں کیونکہ وہ میرا فخر اور سرمایہ ہیں۔

میں بچپن سے ہی ان کی بہت لاڈلی تھی اور یہ بات سارا خاندان جانتا تھا' ان کا لاڈ پیار سب میرے لئے ہی تو تھا لیکن اس کے ساتھ وہ میرے تعلیمی کیریئر کے بارے میں بہت حساس تھے۔ وہ ہمیشہ میرے سکول سے واپس آنے پر پیارے ملتے' میری ہر تعلیمی رپورٹ خود دیکھتے' جب بیرون ملک جاتے میرے لئے کپڑے' کھلونے اور گاڑیاں لانا کبھی نہ بھولتے۔ ان سب تحائف میں کتابوں کا ذخیرہ بھی شامل ہوتا اور وہ کتابیں زیادہ تر سائنس' ہسٹری' بائیو گرافی جیسے موضوعات پر ہوتیں۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق بچوں کی کتب سے نہیں تھا۔ یوں انہوں نے غیر محسوس طریقے سے مختلف موضوعات پر میری تربیت ان خطوط پر کی جس نے آگے چل کر دنیا کو سمجھنے میں میری مدد کی۔

میں خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین بیٹی سمجھتی ہوں جسے ان جیسے بابا ملے۔ مجھے نہیں یاد کہ مجھے بچپن میں ان سے کبھی ڈانٹ پڑی ہو' ہاں میری والدہ اس معاملہ میں زیادہ اور بے جا لاڈ پیار کی قائل نہیں تھیں۔ سو ان سے ڈانٹ پڑ جایا کرتی تھی۔ وہ میرے مستقبل اور تعلیمی کیریئر کو بہت سنجیدگی سے لیتیں' میں آج جو بھی ہوں ان کی اس شفقت اور تربیت کے باعث ہوں۔ بچپن میں جب کبھی بیمار پڑ جاتی تو بابا بہت فکر مند ہوتے۔ میرے کھانے کا بہت خیال رکھتے اور پوچھتے کہ آپ کیا کھائیں گی؟

آج میرے سارے چتوں کی شادابی میرے قابل فخر والدین کی ہی مرہون منت ہے کیونکہ انہوں نے ان کی تراش خراش بہت قرینے اور سلیقے سے کی ہے۔ اے پی این ایس کا پلیٹ فارم ہو یا امریکی جریدے نیوز ویک میں

جناب مجید نظامی، ریحانہ مجید نظامی اور رمیزہ نظامی کی یادگار تصویر

میری ہر کامیابی کے پیچھے ان کی رہنمائی اور تربیت جلوہ گر ہے

میں خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین بیٹی سمجھتی ہوں

پذیرائی ان سب کے پیچھے انہی کی رہنمائی اور تربیت جلوہ گر ہے۔

مجھے فخر ہے کہ میں مجید نظامی کی بیٹی ہوں اور میرا یہ فخر کچھ بے جا بھی نہیں کیونکہ دنیا انہیں مرشد صحافت' آبروئے صحافت اور ... جیسے القابات سے ... ہوتی ہے۔ ... ایک قطبی ستارہ ہیں جو نصف صدی سے زائد عرصہ سے راستہ بھٹکنے والوں کو ان کی منزل کا پتہ بتا رہا ہے۔ وہ صرف میرا ہی نہیں پوری پاکستانی قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کے سینے میں محمد بن قاسم کا دل دھڑکتا ہے تو ہاتھ میں ٹیپو سلطان کی شمشیر بھی ہے۔ ان کی شخصیت کے اتنے پہلو ہیں جن پر نصف صدی سے لکھا جارہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔

مجھے تو بس آج ان کی ادارت کی نصف صدی مکمل ہونے پر انہیں ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ مبارک باد کہنی ہے۔ خدا انہیں عمر خضر' صحت اور تندرستی عطا کرے۔ آمین!

ہے تیرے گرد میری دعاؤں کا دائرہ
میں تیری عافیت کی مبارک لکیر ہوں

☆☆☆

ڈاکٹر زاہدہ پروین

غربت کی کوکھ میں پلنے والا وہ بچہ محنتی بھی تھا اور پُرعزم بھی، بنیادی سہولیات سے عاری انتہائی پسماندہ بستی میں رہائش پذیر ہوتے ہوئے بھی اس کی ماں کی سوچ بلند تھی۔ ماں کا عزم متزلزل نہ ہوتا۔ وہ صبح سویرے بچے کو

کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔

انہوں نے آرمی چھاؤنی میں رہتے ہوئے گاؤں میں گزرے اپنے مشکل دنوں کو فراموش نہیں کیا بلکہ پختہ ارادہ کیا کہ فوج سے فراغت کے بعد گاؤں میں سکول بنائیں گے۔ جہاں ابھی تک وہی تیسری جماعت تک کا

سب نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور جب وہ لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تو آرمی کی طرف سے اسلام آباد میں ان کا گھر تیار تھا۔ انہوں نے وہ گھر کرائے پر اٹھایا اور بال بچوں کو لے کر گاؤں میں آبسے اور پھر اپنی پوری صلاحیتیں سکول کے لئے وقف کر دیں۔ آج دو کمروں سے شروع ہونے والا سکول 40 کنال رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ سکول ہی میں ایک شاندار مسجد بھی شامل ہے جہاں ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اور ناظرہ اور حفظ کی کلاس ہوتی ہے۔

گو اب ان کے والدین دنیا میں نہیں رہے مگر یقیناً ان کے لئے بہترین صدقہ جاریہ موجود ہے اور میرے لئے انتہائی فخر کی بات یہ ہے کہ غلام محمد میرے (اور پھول کی لکھاری ساجدہ غلام محمد کے) پیارے ابوجی ہیں۔ ابوجی میں خوش قسمت ہوں کہ "آپ کی بیٹی ہوں"۔

وہ ہمارے لیے ہی نہیں معاشرے کے لئے بھی قابلِ فخر ہیں

قابلِ فخر

جگا کر مسجد بھیجتی تاکہ مولوی صاحب سے قرآن پاک کا سبق لے۔ ذرا بڑا ہوا تو گاؤں کے سکول میں داخل کروا آئی۔

یہ سرکاری سکول صرف تیسری جماعت تک تھا اور ایک ہی استاد کے زیر نگرانی تھا۔ تین سال وہ بہت شوق سے پڑھتا رہا۔ اس کے بعد پھر سوالیہ نشان تھا۔ پرائمری سکول گھر سے تین کلومیٹر دور تھا اور پاس کوئی سواری بھی نہ تھی۔ تعلیمی سلسلہ منقطع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ماں نے اللہ کا نام لے کر دوسرے سکول میں داخلہ کروایا اور وہ روزانہ پیدل سفر کر کے سکول جاتا رہا۔ ماں اس کے لئے دعائیں کرتی رہی اور اس نے بھی ماں کو مایوس نہیں کیا۔ میٹرک میں وظیفہ حاصل کیا پھر کالج کی پڑھائی کا آغاز ہوا۔ اللہ کی طرف سے وسیلہ بنتا رہا، کبھی کسی رحم دل اُستاد کے ذریعے اور کبھی کسی نیک دل مخیر انسان کی مدد سے پڑھائی جاری رہی۔ تعلیمی اخراجات کے لئے ٹیوشن بھی پڑھائی۔ تعلیم مکمل کر کے پاک آرمی میں بطور کیپٹن افسر بھرتی ہوا اور یوں مہتاب علی کا بیٹا غلام محمد واقعی پڑھ لکھ کر افسر بن گیا۔ والدین نے اللہ کا شکر ادا کیا مگر یہاں تک غلام محمد کی کہانی ختم نہیں ہوئی بلکہ کہانی

سکول تھا۔ وہ بھی صرف لڑکوں کے لئے۔ لڑکیوں کے لئے پڑھائی کا تصور بھی نہ تھا۔ وہ جب بھی گاؤں جاتے تو لڑکوں کو حصول تعلیم کے لئے دور دراز سکولوں میں جاتے دیکھتے تو دل کڑھتا۔ جب وہ میجر کے عہدے پر فائز تھے تو محسوس ہوا کہ ریٹائرمنٹ تک تو بہت دیر ہو جائے گی، گاؤں میں سکول کی فوری ضرورت ہے۔ بغیر وسائل کے سکول کا خواب دیکھنا گویا دیوانے کا خواب تھا۔ مالی تعاون تو کجا زبانی کلامی حوصلہ بڑھانے والے بھی بہت کم نکلے۔

گاؤں کے لوگوں نے مضحکہ اُڑایا "یہاں کون پڑھنے آئے گا۔ یہ کمرے تو ہماری بیٹھکیں بنیں گی۔" مگر وہ اللہ کے بھروسے پر ڈٹے رہے اور دو کمروں پر مشتمل "مہتاب پبلک سکول" کا آغاز ہوا۔ انتہائی کم فیس رکھی گئی۔ گاؤں کے ہی دو نوجوانوں کو بطور اساتذہ تعینات کیا۔ سال بہ سال سکول کی عمارت، طلبا اور اساتذہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ پہلے لڑکوں کے لئے ہائی سکول

پھر لڑکیوں کے لئے ہائی سکول اور اس کے بعد مہتاب پبلک کالج کا قیام عمل میں آیا۔

غلام محمد کو اللہ نے ... بیٹیوں اور بیٹوں سے نوازا۔

ابو کے نام!

پیارے ابو!
ستم ظریف زمانہ
لے کر ہوا کے دوش پر
روندتے ہوئے
ہر ایک جذبے کو
تقدیر کا پانسہ پلٹتے ہوئے
چرا کر لے گیا آپ کی خوشبو
دکھ کی کنڈلی
کہ جس کے بچھاؤ سے
بدن کی نس نس لہو میں تر
جینے کے جتن
سب رنج و محن
باہر خوشبو کے سات آسمان
دل کے اندر قبرستان
تب حقیقت کا دروازہ کھلتا گیا
زخمی چیونٹی کو
اس کی بے بسی آگاہی
عقلِ کل کا پتہ دینے لگی
زندگی ... سے سائے ... لگی

نیلما تصور۔ اسلام آباد

سلیمہ ہاشمی

حکیم محمد صدیق ہاشمی

دنیا کے ہر باپ کو میرا سلام

میرے ابو جی حکیم محمد صدیق ہاشمی دنیا کے سب سے الگ اور مختلف باپ تھے۔ اپنی گرم مزاجی کے حوالے سے کافی مشہور تھے مگر ان کی ذات میں اس قدر خوبیاں تھیں کہ جن کو بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، صاف گو تھے اور نا غلط کرتے تھے اور نا ہی سنتے تھے۔ وہ ایک اخروٹ کی طرح تھے اُوپر سے سخت مگر اندر سے نرم۔ ہر رشتے میں بے مثال، نبھانے والے اور اُن کی اس عادت سے بہت سے لوگوں اور رشتے داروں نے فائدہ بھی اُٹھایا، اُن کی زمین تک ہڑپ کرلی۔ میں اکثر سوچتی ہوں وہ اگر اس قدر گرم مزاج تھے تو وہ سب کیسے ہو جاتا تھا۔ دوسری جانب میری دادی خالصتاً اُن خواتین میں سے تھیں جو اپنی بیٹی سے تو پیار کرتی ہیں تاہم بیٹے کے گھر بیٹی کی پیدائش اُن کو گوارہ نہیں۔ تاہم اس مزاج کی حامل ماں کے ہاں ایک ایسا بیٹا جس نے اللہ سے اپنے گھر کے لئے اولاد میں بیٹی مانگی۔ پہلے عفیفہ اور پھر میں۔ ہم دونوں خالصتاً ایک دعا کی قبولیت کا نام ہیں۔ انہوں نے ہم کو ہر وہ چیز دی جو ایک باپ اپنی بیٹی کو دے سکتا ہے اور اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔ اپنی ذات پر اعتماد سے بڑھ کر کوئی اور تحفہ نہیں ہوتا جو ایک باپ اپنی بیٹی کو دے۔ اگر اپنے بچپن کا ذکر کروں تو جو میں سوچا کرتی تھی کہ یہ کھانا ہے وہ کھانا ہے تو پتا نہیں کیسے ابو کو یہ خبر ہو جاتی۔ مجھے گلاب جامن کی بھوک لگا کرتی، چم چم کی لگا کرتی، سموسوں کی لگا کرتی اور سب مجھے مل جاتا۔ میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہوں تاہم میرے گھر والے کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں سب سے الگ مزاج کی تھی تاہم ضدی نہیں تھی۔ مجھے آج بھی ضد کرنا اچھا نہیں لگتا۔ ابو نے صرف ہم دونوں بہنوں کو ہی نہیں بلکہ اپنی پوتی مومنہ کو بھی بہت پیار کیا۔ اُن کی لاڈلی پوتی اور ہم سب کی جان بھی، اتنی ہی قابل اعتماد جتنے ہم تھے۔ 2007 میں ابو اپنے خالق حقیقی کے پاس چلے گئے مگر یہ دکھ آج تک تازہ ہے لگتا ہے۔ کہ کل ہی کی بات ہے۔ آج اُن کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے مگر وہ نہیں ہیں۔ ہر قدم پر اُن کی یاد ساتھ رہتی ہے۔ ابو جی آپ کی کمی بہت ستاتی ہے۔ اللہ آپ کے درجات بلند کریں۔ آمین۔

ایک شعر اُن کی نظر۔ شاعر کا نہیں پتا مگر شعر حسب حال ہے۔

تم جو ہوتے تو زندگی ہم سے

سلیمہ ہاشمی۔ شاعرہ، کالم نویس۔ سرگودھا

محمد یونس

پیارے بابا

''باپ'' ایک شفقت ومٹھاس سے بھرا نام اور تپتی دھوپ میں ایک گھنا سایہ ہے۔ جب باپ اپنا شفقت بھرا ہاتھ بچوں کے سروں پر رکھتا ہے تو بچوں کے سارے غم اور پریشانیاں اپنے دل کے سمندر میں سمیٹ لیتا ہے۔ ایک عظیم انسان جو اپنی زندگی اپنے بچوں کے لئے وقف کر دیتا ہے اور اپنے جذبات کو چھپا کر اپنی خوشیوں کو اپنی اولاد کی خوشیوں پر قربان کر دیتا ہے۔

ہمارے بابا محبت اور خلوص کا پیکر ہیں۔ جنھوں نے اپنا سب کچھ اپنی اولاد پر قربان کر دیا۔ جس کی بدولت آج ہم سب ان کی رہنمائی اور ان کی دعاؤں کے سبب زندگی کے ہر میدان میں کامیاب ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کا سایہ ہم سب بہن بھائیوں پر اسی طرح سلامت رکھے اور ہمارے بابا ہمیشہ اسی طرح زندگی کے ہر میدان میں ہمیں اپنی محبت سے آبیار کرتے رہیں۔ آمین۔

سدرہ امبرین یونس —— طیب کامران یونس۔ انگلینڈ

سدرہ امبرین یونس۔ ... ماہنامہ "پھول"۔ لاہور

میرے والد

میرے ابو جان پاکستان ملٹری اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ سے ریٹائرڈ، حافظ قرآن اور صوم وصلوٰۃ کے پابند بھلائی اور پیار ومحبت ان کا شیوہ ہے۔ ہمیں اپنے ابو جان سے بہت محبت ہے وہ بھی سچا اور اچھا مسلمان بننے کا درس دیتے ہیں۔ تمام لوگ ان کا احترام کرتے ہیں ہمیں اپنے باپ پر فخر ہے۔

نعمان فرید اپنے والد حافظ محمد بخش

میرے باپ

بیشک ہر انسان کی کامیابی کے پیچھے اس کے والدین کی دعاؤں کا اثر اور سہارا ہوتا ہے۔ والدین ہی اپنے بچوں کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، میرے والد کا نام ظفر اقبال انصاری ہے، وہ عرصہ 30 سال سے پیٹرن ماسٹر کی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہیں۔ دوران ملازمت انہوں نے 5000 سے زائد ڈیزائن بنائے ہیں۔ میرے والد کو شروع دن سے کاروبار کرنے کا شوق تھا، آپ ملازمت سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر حکومتی اور ٹریڈ باڈیز کی سطح پر رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے وہ کاروبار کی دنیا میں اپنا نام پیدا نہیں کرسکے، میرے بابا نے 10 سے زائد ممالک کے دورے کیے ہیں۔ انہوں نے میرے ذہن کو بھی شروع دن سے کاروبار کی دنیا کی طرف مائل کر دیا تھا۔ اس وجہ سے میں ملازمت کی دنیا میں جانے کی بجائے تعلیم سے فارغ ہو کر کاروبار کی دنیا میں آ گیا۔

ذیشان انصاری ۔ ڈسکہ

چاہت کا خزانہ تھا ہر لفظ میں اس کے
دامن میرا اس نے دعاؤں سے بھرا تھا

مجھ کو نہیں دیکھا کڑی دھوپ نے چھو کر
بابا میرا دنیا میں مجھے ایسا جو ملا ہے

والد محترم نے شروع دن سے تربیت دی تھی کہ تجارت کرنا سنت ہے۔ میرے بابا نے کہا، مسلمان ہونے کے ناطے حضور ﷺ کی زندگی کی پیروی کرنا ہم پر فرض ہے۔ میں نے ایسا ہی کیا اور بابا کی تربیت سے میں آج ایک کامیاب تاجر بن چکا ہوں۔

میرے والد

میں اپنے والد کی مثال اس طرح دے سکتی ہوں کہ اگر ان کے پاس 10 روپے ہیں تو وہ ہمارے اوپر 8 روپے خرچ کریں گے اور اپنے اوپر صرف 2 روپے۔ وہ بہت عظیم ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ باپ کا سایہ حاصل ہے۔ میں خوش نصیب ہوں۔ دامن میں کیا نہیں رکھتی۔

(سونیا کنول، چوک اعظم، ضلع لیہ)

مثالی باپ

عظیم انسان اور مثالی باپ غلام حسین مرحوم کے نام جن کے دل میں سوائے پیار، محبت اور شفقت کے اور کچھ نہ تھا۔ جنہوں نے ہمارے آج کے لئے اپنا کل قربان کر دیا اور ایک گھنے درخت کی طرح ہم پر سایہ فگن رہے۔ زمانے کی سردی گرمی اپنی ذات پر برداشت کر لی۔ لیکن ہمیں آرام وسکون میں رکھا۔ بظاہر وہ دنیا سے جا چکے ہیں لیکن ہمارے دلوں میں آج بھی اسی طرح ہیں۔ ان کی شفقت بھری دعائیں اور سونے کے پانی سے لکھے جانے والی نصیحتیں آج بھی ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہیں۔

باپ کی شفقت

میں اپنے امتحانات میں سخت بیمار تھی اور میرے ابو رات بھر جاگتے رہتے اور مجھے پانی اور دوا دیتے اور جب میں اٹھتی تو مجھ کو خود دیتے۔

میرے ابو

میرے ابو دنیا کے عظیم انسان ہیں وہ دنیا کے سب سے اچھے ابو ہیں آپ نے زندگی کے ہر موڑ پر میرا ساتھ دیا۔ میرا حوصلہ بڑھایا آپ نے اپنی خوشیاں قربان کر کے مجھے خوشیاں دیں۔ مجھے آپ سے بہت محبت ہے۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ آپ کی خوبیاں بیان کروں۔ آپ کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ تمام عمر سلامت رہیں یہی ہماری دعا ہے۔

ایمن کائنات والد امجد نعیم

ایمن کائنات

میرے بابا

جب سکول جاتا تھا تو ہٹلر لگتے تھے۔ لیکن ان کی ڈانٹ میرے لئے احساس تھا۔ آج میں کامیاب بزنس مین ہوں۔ یہ سہرا ہے بابا کی پیار بھری ڈانٹ اور ان کی شفقت بھری تربیت کا عاقب انصاری کی زندگی کی کتاب کا عنوان ہے "میرے بابا"

عاقب انصاری۔ لاہور

ابو جان

میرے ابو جان بہت اچھے ہیں وہ میری ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔ میرے ابو مجھے پیار سے چڑیا کہتے ہیں۔ میرے ابو جب بھی رات کو گھر آتے ہیں تو کوئی نہ کوئی چیز ہاتھ میں ہوتی ہے اور پھر پوچھتے ہیں کہ بوجھو تو جانے ہم تم کو مانیں اور کبھی کبھی خود ہی مجھے آ کر پکڑا دیتے ہیں۔ میرے ابو جان مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں اور میں بھی اپنے ابو سے بہت پیار کرتی ہوں۔

(ازکی مریم، بدوملہی، نارووال)

حدف نثار

مسکراہٹیں

چوری

ایک آدمی کی بھینس چوری ہوگئی۔ کسی نے مشورہ دیا کہ اخبار میں اشتہار دے دو۔ اس نے جواب دیا۔
''یار افسوس کی بات تو یہ ہے کہ میری بھینس اخبار نہیں پڑھ سکتی''

☆☆☆

وزن

انور ''یار تم اپنی جیبوں میں پتھر کیوں بھر رہے ہو''۔
اکرم ''یار تمہیں پتہ نہیں ہے کہ آج کل صرف اسی کی عزت کی جاتی ہے جس کی جیب بھاری ہو۔''

ساجد شہزاد۔ ماہڑہ غربی

☆☆☆

تقریب

کسی تقریب میں ایک گلوکارہ یہ گانا گا رہی تھی۔
''کس نام سے پکاروں کیا نام ہے تمہارا''۔
پیچھے سے آواز آئی۔ ''جمیل کراروی''

☆☆☆

وجہ

ایک کسان کسی ہنسی والی بات پر تین مرتبہ ہنستا تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا بھائی ''تم ہر مذاق پر تین مرتبہ کیوں ہنستے ہو۔ اس کی وجہ کیا ہے''۔
اس نے کہا کہ ''ایک مرتبہ میں لوگوں کے ساتھ ہنستا ہوں۔ دوسری مرتبہ جب میری سمجھ میں آتا ہے اور تیسری مرتبہ اپنی بے وقوفی پر ہنستا ہوں۔''

☆☆☆

بیماری

مریض (ڈاکٹر سے) جناب مجھے بہت خطرناک بیماری لاحق ہوگئی ہے۔
ڈاکٹر ''کون سی''
مریض: جب میں آنکھیں بند کرتا ہوں تو مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔''

☆☆☆

آخری خواہش

ایک مجرم کو بجلی کی کرسی پر بٹھا کر سزائے موت دی جانی تھی۔ انسپکٹر نے مجرم سے کہا
''تمہاری آخری خواہش کیا ہے۔''
مجرم: ''میری آخری خواہش یہ ہے کہ اس کرسی پر آپ بیٹھ جائیں۔''

شہباز رابعہ۔ روہیلانوالی

☆☆☆

یادیں

استانی بچوں کا گروپ فوٹو لینے کے بعد: بچو کل کو تم بڑے ہو گئے تو یاد کرو گے اور کہو گے کہ دیکھو یہ انعم ہے جو اب امریکہ چلی گئی ہے، یہ عمر ہے یہ اب بہت بڑا بزنس مین ہے، اور یہ چھوٹا لڑکا نعیم ہے جو اب بڈھا بابا بن گیا ہے۔
نعیم (جل کر) اور یہ ہماری استانی صاحبہ ہیں جو اب فوت ہوچکیں ہیں۔

نوریہ مدثر

☆☆☆

ہوشیاری

گاہک: تمہاری رس گلے کی دکان ہے کیا تمہارا دل کھانے کو نہیں چاہتا؟۔
بہت کرتا ہے کھانے کو مگر ابو رس گلے گن کر جاتے ہیں اس لئے صرف چوس کر رکھ دیتا ہوں۔

عاقب جنید۔ چوآ سیدن شاہ

☆☆☆

کھجلی

ایک شخص موٹرسائیکل پر جا رہا تھا تو اسے سر پر کھجلی ہونے لگی اور وہ ہیلمٹ پر سے کھجانے لگا دوسرے آدمی نے دیکھا اور بولا اگر کھجلی ہو رہی ہے تو ہیلمٹ اتار کر کھجاؤ تو اس نے کہا کہ اگر تمہیں کمر پر کھجلی ہوتی ہے تو کیا تم قمیض اتار کر کھجاتے ہو؟۔

☆☆☆

بھائی چارہ

ایک بچے سے جب ''بھائی چارے'' کا جملہ بنانے کو کہا گیا تو اس نے کچھ یوں بنایا۔
جب کسی نے دودھ والے سے پوچھا کہ دودھ مہنگا کیوں بیچتے ہو تو وہ بولا کہ بھائی چارہ بہت مہنگا ہو گیا ہے۔

☆☆☆

چیک بک

ٹیچر: تمہاری زندگی میں سب سے زیادہ کس بک نے مدد کی ہے؟۔
طالب علم: میرے پاپا کی چیک بک نے۔

سلمیٰ سید

میں بک اسٹال پر کھڑی میگزین دیکھ رہی تھی اور مطلوبہ میگزین نہ ملنے پر میں نے بک اسٹال والے کو میگزین ڈھونڈنے کو کہا اور دوسرے رسالے کی طرف متوجہ ہوئی تھی کہ ایک معصوم سی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ایک پیاری سی آٹھ سالہ بچی اپنے بابا کی انگلی پکڑے بک اسٹال پر کھڑی تھی اور اپنے بابا سے ضد کر رہی تھی کہ وہ اس کو کہانیوں کی کتاب لے کر دیں۔ بابا آپ کو پتہ ہے میری سب دوستوں کے پاس اتنی بہت سی کہانیوں کی کتابیں ہیں۔ آپ مجھے سٹوری بکس لے کر دیں نا۔"

یہ آوازیں سن کر بے اختیار مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا میں بچپن کی یادوں میں کھو گئی۔ میں دادی اماں سے روز کہانیاں سنا کرتی تھی اور بچپن سے ہی مجھے رنگین تصویروں والی کہانیاں پسند تھیں۔ میرے ابو جی نے میرے ذوق و شوق کو دیکھتے ہوئے مجھے بہت سی کہانیوں کی کتابیں لا کر

"اپنے پیارے ابو جی کی یاد میں لکھا گیا"

"یادوں کا دیا"

دی تھیں جس میں مزے مزے کی کہانیاں مجھے دیس دیس کی سیر کراتی تھیں اور میں بڑے فخر سے اپنی دوستوں کو بتاتی تھی کہ میرے پاس بہت ساری اسٹوری بکس ہیں۔ میں نے گھر میں ایک چھوٹی سی لائبریری بنائی ہوئی تھی۔ جہاں سے میرے محلے کی لڑکیاں کہانیاں کی کتابیں پڑھنے لے جایا کرتی تھیں۔

میرے لکھنے پڑھنے کے شوق کو جلا دینے میں میرے ابو جی کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ ہم سب بہن بھائیوں کو مختلف طرح کی اصلاحی و تاریخی کتابیں عمر کے حساب سے پڑھنے کے لئے دیا کرتے تھے۔

میرے والد صاحب خود لکھنے پڑھنے کے بے حد شوقین تھے۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے گھر میں کتابوں کو موجود پایا اور یہ کتابوں کا ساتھ ہی تھا جس نے مجھے احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں ہونے دیا کیونکہ اپنے گھر میں میرا رنگ سانولا تھا۔ باقی بہن بھائی گورے چٹے تھے تو جب بھی کوئی بھائی بہن مجھے میرے رنگ و روپ کا طعنہ دیتا اور ابو جی تک یہ اطلاع پہنچتی تو ابو جی ہمیشہ میری طرف داری کرتے اور کہا کرتے تھے۔ "میری بیٹی کا من سب سے اجلا ہے وہ ہمدرد ہے، حساس ہے، [illegible] بیٹی بہت ذہین ہے۔ بڑی ہو کر جب یہ کہانیاں لکھے گی تو اچھی اچھی باتیں لوگوں کو بتائے گی۔"

وہ ہم سب بہن بھائیوں کو سمجھاتے تھے [illegible] رنگ و روپ سے زیادہ آپ کے کردار، آپ کے حسن سلوک سے آپ کو لوگ پہچانتے ہیں کسی کو بھی رنگ و روپ کی وجہ سے حقیر نہیں جانو۔ یہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ہمیشہ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ہم پیار و محبت اور اتحاد سے رہیں۔ میرے ابو جی نے ہمیشہ ہم لوگوں کی تربیت میں اس بات کا خیال رکھا کہ ہم کسی کی دل آزاری نہ کریں۔ بڑوں کی عزت کریں چھوٹوں کو پیار کریں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ابو کی سختی سے تاکید تھی کہ ہم گھر کے کسی بھی نوکر سے بدتمیزی سے بات نہ کریں ورنہ حکم عدولی کی صورت میں سزا ملے گی۔ امی جی سے روزانہ سب بچوں کی رپورٹ معلوم کرنا بھی ابو جی کا معمول تھا اور یہ ابو جی کی تربیت ہی تھی کہ آئندہ زندگی میں ہم نے کسی کو حقیر نہ جانا۔

میرے ابو جی ملازمت کے سلسلے میں مختلف شہروں میں تعینات ہوتے تھے اور اس طرح پاکستان کے مختلف شہروں کے قابلِ دید مقامات ہمیں دیکھنے کو ملے۔ جو شاید عام حالات میں ہم کبھی نہ دیکھ پاتے۔ میں بچپن ہی سے تفریحی پارک جانے کی شوقین تھی اور پارک میں قسم قسم کے جھولے تو میری جان تھے۔ میرے ابو میری اس کمزوری سے اچھی طرح واقف تھے اور بے حد مصروف [illegible] کے باوجود پارک جا [illegible] مجھے یاد ہے [illegible] ہم کراچی میں [illegible] تھے

ابو جی ہمیں ہر ہفتے سمندر کی سیر کو لے کر جاتے تھے۔ کلفٹن، سینڈزپٹ، ہاکس بے، پیراڈائز پوائنٹ، سی ویو، کلفٹن کے جھولے تو میری کمزوری تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ دلکش مناظر زندہ ہو گئے۔ "ابو جی! ابو جی! میں نے تو سب سے زیادہ اونچے جھولے پر بیٹھنا ہے۔"

"ہاں بیٹا جی! میں آپ کو سب سے زیادہ اونچے جھولے پر بٹھاؤں گا۔" ابو جی نے پیار سے میری پونی کو ہلاتے ہوئے کہا۔

"اُف! کتنا مزہ آ رہا ہے۔ سارے لوگ چھوٹے چھوٹے بونوں کی طرح لگ رہے ہیں۔" میری آنکھوں کے سامنے ساری چیزیں تیزی سے گھوم رہی تھیں اور میں ابو جی سے چپک کر بیٹھی جھولے کے مزے لے رہی تھی کہ اچانک ایک آواز نے میرے خیالوں کا تسلسل توڑ دیا۔

"باجی جی! بڑی مشکل سے آپ کا مطلوبہ رسالہ ملا ہے۔" یہ بک اسٹور کے ملازم کی آواز تھی جس نے مجھے خوابوں کی دنیا سے حقیقت میں لا کھڑا کیا۔

اوہ! میں بے اختیار شرمندہ ہو گئی۔ یہ خیالات بھی نا! انسان کو بے خود کر دیتے ہیں جس طرح ابو جی کی یاد نے مجھے دنیا و مافیہا سے بیگانہ کر دیا۔

باپ کا سایہ سر پر سائبان کی طرح ہوتا ہے جو ہمیں زمانے کی گرم اور سرد ہوا سے بچاتا ہے وہ ہمارے لئے ڈھال کا کام دیتا ہے کیونکہ باپ اور بیٹی کا رشتہ ایسا رشتہ ہوتا ہے جس پر ہمیں بہت مان، اعتماد اور اٹوٹ یقین ہوتا ہے کہ پوری دنیا میں ہمارے لئے ایک ایسا گوشہ عافیت موجود ہے جہاں پر ہم دنیا کی ہر مصیبت اور آفت سے محفوظ رہتے ہیں۔ میرے ابو جی [illegible] اس دنیا میں نہیں رہے۔ لیکن ان کی یادوں کا دیا ہمیشہ میرے دل میں جلتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ میرے ابو جی کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین

”چلتی پھرتی ڈکشنری“۔۔زیڈ۔ڈی۔قریشی

ساجدہ حنیف

ہمارے خاندان کا تعلق سید ہاشمی قریشی ہے اور درس و تدریس ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ میرے دادا جان مرحوم پڑھے لکھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ریلوے چیف گڈز کلرک ہونے کے ساتھ انگریزی کی ٹیوشنز بھی پڑھاتے تھے۔ میرے ابوجان کے چھ بہن بھائی سب ماشاءاللہ ایم ایڈ ایم اے سے کم نہ تھے۔

میرے والد صاحب بہت ذہین فطین تھے انہوں نے 1904ء میں اس دنیا میں آنکھ کھولی۔ میٹرک شیرانوالہ گیٹ ہائی سکول لاہور سے کیا اور ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں میں فسٹ پوزیشن لی جس کا ذکر سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے میں لسٹ میں ہے۔ انہیں پڑھائی خاص کر لٹریچر میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی تھی۔ انہوں نے ایم اے انگریزی، ایم اے عربی، ایم ایڈ بی

پروفیسر ظہیرالدین قریشی درمیان میں۔ دائیں طرف حسن رضا پاشا اور دیگر طالب علم

ایڈ فسٹ ڈویژن میں کیا اور وہ سکالرشپ ہولڈر تھے۔ اس کے ساتھ بہت سے ڈپلوے کیے ہوئے تھے جن میں خاصا تجربہ جرمن میں تھا۔ ابوجان کی شادی کے بعد اُن کا تبادلہ ہو گیا جہاں اُن کی خوب عزت افزائی کی جاتی تھی لیکن انگریزی اپنے والد صاحب سے پڑھتے تھے۔

1944ء میں وہ انڈیا میں اے ڈی آئی یعنی سکولز آف انسپکٹر تھے۔ سفر کیلئے ملازم اور گھوڑی ملی ہوئی تھی۔ ہمارے ننھیال اور ددھیال شیرانوالہ گیٹ بیرون لاہور میں پارٹیشن سے پہلے کے رہائشی تھے۔ ننھیال میں تو ابھی بھی حبیب گنج کے کونے والے د[...]ے کے گھر پر منشی برکت علی (میرے نانا جی 1934ء [...]) اور ددھیال عثمان گنج میں رہائش [...] تھے۔ پارٹیشن

سے قبل ہی جب فسادات شروع ہوئے تو میرے والد صاحب چار بچوں کے ہمراہ لاہور میں آ گئے۔ جہاں پر انہیں علی پور ضلع ملتان میں اے ڈی آئی کی شاندار نوکری مل گئی۔ میری ولادت وہاں پر ہی ہوئی۔

میرے والد صاحب کا نام ظہیر الدین قریشی ولد عبدالحکیم قاضی تھا۔ جب میرے والد صاحب کو پروموشن پر فیصل آباد (لائل پور) میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی بھیجا گیا تو ہم سب بہن بھائی دادا جی مرحوم کے پاس رہتے تھے جنہوں نے ہمیں بہت محبت اور پیار سے پالا۔ اُن کے الف لیلیٰ وغیرہ، قصہ چہار درویش کی کتابیں بھی تھیں۔ ہم بہن بھائیوں میں جو کوئی میٹرک کرتا وہ لائل پور اباجی کے پاس چلا جاتا۔ ہمارا گھر پیپلز کالونی میں بہت مشہور تھا۔ وہاں کے تمام رہائشی پرنسپل، بزنس مین، ڈاکٹرز وغیرہ تھے۔ والد صاحب اپنے پاس ہر بچے کو باری باری بلا لیتے تاکہ اپنی نگرانی میں تعلیم دلوا سکیں۔ اُن کی اکثر باتیں نہ بھولنے والی ہیں۔ میں بچپن میں جب بھی اپنے ابو کے پاس فیصل آباد آتی تو میرا ہاتھ دیکھ کر چونی کا سکہ رکھ دیتے جو میرے پاس ابھی بھی موجود ہیں۔ پھر میرے دو تین نام رکھے ہوئے تھے۔ مجھے غرارہ پہننے کا بہت شوق تھا میرا نام غرارہ آرا بیگم رکھا گیا۔ پھر سیانا تیا (سمجھدار بچی) امی نے نور جہاں رکھا۔ دادا ابو جان نے ساجدہ رکھا۔ میرے والد صاحب کو ہسٹری سے بھی دلچسپی تھی وہ جب بھی اپنے پبلشر کے پاس جاتے ہم چاروں بہن بھائیوں کو مقبرہ جہانگیر شالامار باغ وغیرہ کی سیر کرواتے۔

وہ ایک اچھے محنتی محبت کرنے والے تھے وہاں بااصول، خوش شکل، خوش لباس اور خوش ذوق تھے۔ اپنے کالج کے ایڈیٹوریل گروپ کے انچارج تھے۔ ویمن کالج میں کوئی انگلش کی ٹیچر نہیں تھی اس لیے والد صاحب بی اے کی کلاسز پڑھانے جاتے۔ والد صاحب کے یار دوست بہت باوفا اور عزت کرنے والے تھے۔ رعب دار شخصیت ہونے کی بنا پر سٹوڈنٹس ڈرتے بھی تھے اور عزت بھی [...] انہیں چلتی پھرتی ڈکشنری کے نام سے پکارا جا[...] [...]

ڈاکٹرز اور ایک کو PATCK میں اعلیٰ نوکری کروائی۔

میرے والد صاحب کی ایک عادت بہت اچھی تھی کہ وہ وقت پر گھر آتے، شام کو ٹیوشن پڑھاتے۔ اُن کا اپنا ایک الگ خوبصورت کمرہ تھا جو کہ کلاس روم بھی تھا اور اُن کا بیڈ روم بھی۔ دو کمروں کے درمیان کے دروازے میں دو سوراخ چھوٹے چھوٹے کروائے ہوئے تھے۔ یہ ایک راز کی بات تھی جو ہمیں بعد میں سمجھ میں آئی وہ یہ کہ اپنے کمرہ میں لڑکوں کو بٹھاتے اور دروازہ بند کر کے دوسرے کمرہ میری بہن جو بھی اُس گروپ کی ہوتی وہاں بیٹھ جاتی۔ اس طرح وہ بھی پڑھتی۔ ان دنوں میں تمام اساتذہ یک جان ہو کر رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے بچوں کو بلا معاوضہ پڑھا دیتے تھے۔ پرنسپل ماجد صاحب نے مجھے ہسٹری پڑھائی۔

میرے ابوجان کے کالج کے دوستوں کے علاوہ لا ء سکول پیپلز کالونی کے پرنسپل برادر سیزر تھے۔ فادر پال جو کہ نہایت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ میرے والد صاحب کے پاس اپنے دوستوں کو بھی لاتے۔ پھر پرنسپل مختار محمود قریشی مرحوم جو کم عمری میں وفات پا گئے

ساجدہ حنیف

تھے آئے۔ میونسپل کالج اور اسلامیہ کالج کے تمام پرنسپلز آتے ہمارے تعلقات بھی اُن کی فیملی سے تھے۔ پروفیسر سعید الدین، پروفیسر ماجد، پروفیسر رضوی، پروفیسر سلیم بیتاب دوست تھے۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت تصور کرتی ہوں [...] صرف اپنے والد صاحب [...] پاس رہی۔ ایف۔ اے کے بعد شادی ہوئی لیکن اس دوران میں اپنے والد صاحب کے بوٹ پالش کرتی،

کپڑے استری کرتی، اُن کے لئے چائے بناتی اور اُن کے کمرے کا خاص خیال رکھتی۔ پڑھائی کا مجھے بہت شوق تھا۔ لیکن آرٹ کی طرف رجحان زیادہ تھا۔ میری شادی کے چار سال بعد میرے گھر اللہ تعالیٰ نے والدین کی دعاؤں سے ایک بیٹا عنایت کیا جس کا نام انہوں نے رکھا۔ پھر مجھے خط لکھا ساجدہ بیٹا اب تو نے بی اے کرلیا ہے۔ میں نے لاہور سرسید سکول کے نام سے سکول کھولا جس کا اچھی تو سب اچھا'' رکھا۔ دوسرا بیٹا پیدا ہوا تو ابا جان کا پھر خط ملا اب تم ایم اے، بی ایچ ڈی کرلی ہے جب بیٹی پیدا ہوئی تو خاص ملنے آئے اور کہا اب تم پرنسپل بھی ہو اور ایل ایل ڈی بھی یعنی میری بہت ہمت بندھاتے تھے۔

والد صاحب کے سٹوڈنٹس بہت اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ 1954ء یا 55ء کا گروپ فوٹو میرے پاس محفوظ ہے جو میں اُن کی نذر کررہی ہوں جو بھی میرے والد صاحب کے ٹیوٹوریل گروپ میں تھے یعنی حسن رضا پاشا، لطف اللہ، گورنر خالد مقبول (گورنر پنجاب) مسعود اختر (جج)، ناصر بلوچ، اللہ داد، زبیر مسعود اور بہت تھے۔ اُن کے پرنسپل جناب جعفری صاحب بہت خوش اخلاق اور حسین تھے اور دوست بھی تھے۔ اُن کے جنازے کے ساتھ میرے والد صاحب لاہور نہ جاسکے۔ لیکن جب میرے ماموں جان قاضی حفیظ الرحمٰن رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی کی وفات پر آئے قاضی صاحب کے نزدیک ہی جعفری صاحب کی قبر پر کتبہ لگا تھا۔ والد صاحب نے فاتحہ پڑھی اور جی بھر کر روئے۔

میرے والد صاحب کچھ عرصہ کے لئے ریٹائرمنٹ کے بعد امریکہ میں بچوں کے پاس گئے تو اُن کا دل نہ لگا اور جلد واپس آگئے ایک تو وہاں کا ماحول دوسرا اذان کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ پاکستان میں آکر سکھ کا سانس لیا اور تمام زندگی یادِ الٰہی میں گزار دی۔ 85 سال عمر میں بھی ان کا حافظہ خاصا تیز تھا۔ آنکھوں کے آپریشن کے دوران اپنے تمام سٹوڈنٹس کی آواز سے پہچان جاتے۔ والد صاحب کو اللہ نے تعالیٰ بہت نیک اور تعلیم یافتہ اولاد سے نوازا ہوا تھا۔ میرے والد صاحب نے اپنی تمام کتابیں گورنمنٹ کالج فیصل آباد کو عطیہ کر دی تھیں۔

ہمارے ساتھ ہی ہمسائے پروفیسر حریری صاحب مرحوم تھے اُن کے بچے اور ہم سب بہن بھائی کلاس فیلوز تھے۔ ہمارا بچپن وہاں ہی گزرا۔ [illegible] دن حریری صاحب ابا جان کو ملنے آئے تو ابو کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی کہنے لگے'' حریری صاحب میری نماز جنازہ آپ پڑھائیں گے۔ آپ میرے یہاں بھی ہمسائے اور ہمیشہ کے لئے ہمسائے ہیں۔'' چنانچہ میرے والد صاحب 5 مئی کو خدا کو پیارے ہوگئے اور حریری صاحب 7 مئی کو وفات پاگئے اُن دونوں کی قبریں بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ ابو کے شاگردوں میں گورنر پنجاب (ر) خالد مقبول، مہر جیون، ندیم حسن آصف بھی تھے۔ کچھ عرصہ قبل میرا بڑا بیٹا زبیر فیصل ایک کانفرنس میں پیپر پڑھنے گورنمنٹ کالج فیصل آباد گیا تو سامعین نے اس کی عمدہ انگریزی کی بہت تعریف کی۔ جب اس نے بتایا کہ وہ پروفیسر زیڈ ڈی قریشی صاحب کا نواسہ ہے تو منتظمین بہت خوش ہوئے اور اسے خصوصی تحفے سے بھی نوازا۔

میرے والد صاحب ایک نیک دل اور محبت، عزت کرنے والے سسر بھی تھے۔ انہوں نے میری شادی اپنے ماموں کے بیٹے سے کی میرے میاں بھی لٹریچر کے قابل طالب علم تھے۔ راتوں کو دونوں کتابوں پر باتیں کرتے رہتے میں بچوں کی وجہ سے اور اپنے خاوند کی بیماری کی وجہ سے فیصل آباد بہت کم جاتی تھی ایک دن ابا جان کی طبیعت بہت خراب تھی کہہ رہے تھے ساجدہ کو اپنا گھر بہت پیارا ہے میرے پاس نہیں آتی۔ یہ لفظ ان کے منہ پر تھے کہ میں پہنچ گئی۔ چند یوم کے بعد اُن کی وفات ہوگئی۔ لیکن میں اُن کے پاس ایک دن بھی قیام نہ کرسکی لیکن اُن کی دعائیں اور ان کے خطوط ان تصاویر ان کی دی ہوئی اچھی تربیت نے مجھے بہترین بیوی، ماں اور بہو بنایا۔ وہ میرے پاس آکر رہتے میرے گھر پھول پھل اور ہر طرح کی سہولت تھی پھر میرے میاں کی محبت اور اُن کی سینکڑوں کتابیں ابا جی کی جان تھی۔ خدا تعالیٰ میرے والد صاحب کی قبر کشادہ رکھے اور میری صابر ماں جن کا نام بلقیس تھا ان کی تربیت نے بہت سکھایا جو کہ میرے ابھی بھی کام آرہا ہے۔

بچو والدین اور بہن بھائیوں کے سوا دنیا میں ہر چیز مل سکتی ہے اس لئے اپنی زندگی میں اُن کی خدمت کرو اور جنت کماؤ۔ اللہ تعالیٰ میرے ماں باپ کی قبر کشادہ رکھے۔ سب کی اولاد کو نیک اور فرمانبردار رکھے۔ مضمون پڑھنے [illegible] والدین کے لئے [illegible] مغفرت فرمائیں۔

محمد کلیم عزیز

والدین کا پیغام پیارے بچوں کے نام

پیارے بچو! جس دن تم ہمیں بوڑھا کمزور ضعیف دیکھو اور بے زار دیکھو تو صبر کرنا اور ہمیں سمجھنے کی کوشش کرنا جب ہم کھانا کھاتے ہوئے دیر کریں اور اپنے کپڑے بھی نہ بدل سکیں تو تم برداشت کرنا اور وہ وقت یاد کرنا جب ہم نے تمہیں کھلانے پلانے اور کپڑے بدلوانے میں کتنا وقت لگایا۔ پیارے بچو ہم تم سے پیار کرتے ہیں اور تم کو بچپن کی طرح اپنے آگے دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب ہم تم سے بات کریں اور ایک بات کو بار بار دہرائیں تو ہماری بات نہ کاٹنا۔ ہمیں سننا۔ جب تم چھوٹے تھے تو تمہیں ایک ہی کہانی بار بار سناتے تھے جب تک کہ تمہیں نیند نہ آجائے۔

جب ہم نئی ٹیکنالوجی یا جدت کو نہ سمجھ سکیں تو ہمیں ہمارے طریقے سے اس کو سکھانے میں مدد دینا۔ ہم نے تمہیں بہت ساری چیزیں سکھائیں۔ کبھی اپنے پیاروں سے نفرت نہیں کی۔ جب بھی ہماری یادداشت کھو جائے یا بات چیت کا مضمون بھول جائیں تو ہمیں یاد کرنے کے لئے مناسب وقت دینا اور ہم نہ کرسکیں تو گھبرانا نہیں اصل چیز بات نہیں بلکہ ہم تمہارے ساتھ وقت گزارنا چاہتے ہیں کہ تم ہماری باتیں سنو۔ اگر کبھی ہمارا دل کھانے کو نہ چاہے تو ہم سے زبردستی نہ کرنا ہم زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کب کھانا ہے اور کب نہیں۔ جب ہمارے تھکے ہوئے پاؤں، ساتھ چھوڑ دیں اور ہم لاٹھی کے بغیر نہ چل سکیں تو ہمیں اپنے ہاتھوں سے تھام لینا جس طرح تم بچپن میں چھوٹے چھوٹے کمزور قدم اٹھانے کی کوشش کرتے تھے تو ہم تمہیں تھام لیتے تھے اور جب کسی دن ہم یہ کہیں کہ ہم اور زندہ رہنا نہیں چاہتے ہم مرنا چاہتے ہیں تو غصہ نہ ہونا۔ ایک دن تم بھی یہ بات سمجھ جاؤ گے۔ ہماری ہمت حوصلہ بڑھانا۔ تمہاری عمر زندہ رہنے کی نہیں ہے ہم تو بس بقیہ زندگی گزار رہے ہیں جب کسی دن تمہیں پتہ چلے کہ ہماری غلطیوں کے باوجود ہم ہمیشہ تمہارا اچھا ہی چاہتے تھے اور ہم کوشش کرتے تھے کہ تمہارے لئے صحیح راستہ اختیار کریں تم بھی ہمیں اپنے ساتھ رکھ کر اداس ناراض نہ ہونا اور ہمیں بڑھاپے میں دوائی دلانے کی وجہ سے شرمندہ نہ ہونا۔ سمجھنے کی کوشش کرنا ہماری مدد کرنا بوڑھوں کی۔ جس طرح ہم نے کی جب تم بھی بچے تھے۔'' اپنی زبان کی تیزی اُس ماں پر نہ آزماؤ جس نے تمہیں بولنا سکھایا اور کھلانا سکھایا، کھیلنا سکھایا اور چلنا سکھایا۔''

(امیر المومنین سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ)

[illegible] ہمیں اپنے والدین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما اور ان کے قدموں میں ہی جنت نصیب فرما۔ آمین!

کوکب علی

ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے اسمِ اعظم پھونکا گیا ہو۔۔۔
سب وقت کی دھول میں اٹے چہروں کے ساتھ اس ہجوم میں چلے آئے تھے۔۔۔۔لب خاموش تھے۔مگر دل میں اٹھتے طوفان اس کیفیت کا پتہ دے رہے تھے، جہاں پیچھے رہ جانے والے ایک پل کو رک کر یہ بھی نہیں

دوسروں کو دینے کے لیئے سورج کے پاس ہمیشہ روشنی موجود ہوتی ہے۔مگر اس کے اپنے دامن میں تپش رہتی ہے۔اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔۔۔جیسے وہ بھی سورج کی نرم گرم محبتوں کی تپش میں کھڑی تھی۔۔۔
اس نے ہاتھ ماتھے پر رکھا۔اور تاحدِ نگاہ دیکھنے کی کوشش کی۔۔۔

وسیم عباس اپنے والد محترم شیخ غلام عباس کے ساتھ۔
اللہ شفقت کا سایہ قائم رکھے۔

بوڑھی آنکھوں میں موجود اپنے لیئے پیار کو کون نہیں پانا چاہتا

بادِ صبا کے جھونکے۔۔۔۔۔۔۔

کہہ سکتے۔۔۔۔۔۔کہ
اے دو جہانوں کے پالنے والے، تیری جناب سے کچھ لمحے، کچھ وقت، کچھ سال اگر اور مل جاتے!!!
مگر۔۔۔۔۔
ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔۔۔
کیونکہ ایسی خواہشیں تو صدیوں جتنی لمبی ہوسکتی ہیں۔۔۔۔۔۔

کوکب علی اپنے والد محمد سلیم چوہان کے ساتھ۔
جو 10 مارچ 2013ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

وہ بھی اس ہجوم میں اپنے جذبات لے کر چلی آئی تھی۔۔۔۔۔
اسے بھی اپنے دل میں بنے شیشے کے اس گھر سے پیار تھا، جو چاہتوں کے خمیر سے گندھا تھا۔اور جس کی کوئی قیمت نہیں تھی۔۔۔
یہاں کوئی آنسوؤں کے ساتھ آیا تھا۔۔۔
کوئی دل پر بوجھ لیئے۔۔۔
اور کوئی ہنستا مسکراتا بھی۔۔۔

کوئی کھو جانے والوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔۔۔
کوئی یادوں کی رتھ پر سوار تھا۔۔۔
مگر خلوص و انسیت کے یہ معاملے اتنے وسیع تھے۔۔کہ آخری حدوں تک پہنچ جانا ناممکن دکھائی دیا۔۔
اس کا دل رونے لگا۔۔۔
والدین کی محبتوں اور شفقتوں کی بارش میں کون نہیں بھیگنا چاہتا۔۔۔کہ ان کے جھریوں بھرے ہاتھوں میں کتنا دم ہوتا ہے۔۔۔کہ ان کے ہاتھوں کا ایک ہی بوسہ ٹوٹے دلوں کو جوڑ دے۔۔۔ہارے ہوؤں کو ہمت دلا دے۔۔۔ناکام کو کامیاب بنادے۔۔۔
اور بوڑھی آنکھوں میں موجود اپنے لیئے پیار کو کون نہیں پانا چاہتا۔۔
کچھ زیادہ پرانی بات نہیں تھی۔وہ صرف ایک برس ہی تو پیچھے جانا چاہتی تھی،،،مگر حکمِ ربی کو بھلا کب جھٹلایا جاسکتا ہے؟؟؟۔
بات کہاں سے کہاں جا پہنچی تھی۔۔۔موسم، مزاج، چہرے سب بدل گئے تھے۔۔۔سیاہ بالوں میں چاندی اترنے لگی۔۔۔آنگن میں کھیلتے بچوں کی قلقاریاں اور آوازیں اب زندگی کے جھمیلوں میں گم ہو چکی تھیں۔۔۔اس کے ہونٹوں پر دعا تھی۔۔۔دعاؤں سے قبروں پر پھول اُگنے لگے۔۔۔
مگر پیارے ابو جی!!!۔
محبتوں کے وہ الفاظ جو زبان پر نہیں آسکے۔آج آنکھوں میں آپ کی یاد کے ستارے بن کر جھلملانے لگے ہیں۔۔۔
اور ستاروں کی لاڈلی۔۔۔ شکر ۔۔۔ ہے!!!

باپ ایسی عظیم ہستی ہے
جیسے کوئی گھٹا برستی ہے
موسم جس میں بہاروں سی
اُس کی فطرت ہے آبشاروں سی
وہ سراپا ہے جذبۂ ایثار
ایسا اولاد کا ہے وہ معمار
اپنے بچوں کی پرورش کے لئے
ہر مصیبت کو غم کو ہنس کے سہے
مختصر یہ کہ اس جہاں میں وسیم
باپ جیسا نہیں ہے کوئی عظیم

وسیم عباس۔لاہور

''میرے ابو مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔وہ دنیا کے سب سے اچھے ابو ہیں۔''

''میری بلی دودھ نہیں پیتی''

ایک کہانی ابو جان کی زبانی

فرزانہ روحی اسلم۔الخبر، سعودی عربیہ

تم دونوں بہنیں دودھ کیوں نہیں پیتیں؟ بیٹا دودھ ضرور پیو۔یہ مکمل غذا ہے۔کبھی غور کیا ہے، گائے بکری ہری گھاس کھاتی ہیں اور سفید رنگ کا دودھ دیتی ہیں۔یہ سب اللہ کی قدرت ہے انسان کو اس نعمت سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔میں تو دودھ پینے کو بھی باعث شکر سمجھتا ہوں۔''

یہ ابو ہی تھے جو ہمیں اکثر دودھ کے بارے میں لیکچر دیا کرتے تھے۔کچھ دنوں تک ہم سب دودھ پابندی سے پیتے پھر چھوڑ دیتے۔امی کی شکایت پر وہ ہمیں دوبارہ دودھ پینا یاد دلاتے تو ہم ایک بار پھر دودھ کا گلاس ہاتھ میں تھام لیتے۔

ایک بار ابو نے کہا'' دودھ پابندی سے [illegible] کی عادت ابھی سے ڈال لو، ورنہ کل کو لوگ [illegible] ان کے والدین نے انہیں دودھ پینے کو دیا ہی نہیں ہو گا بالکل اس بلی کی طرح جس کا مالک کہتا پھرتا تھا کہ اس کی بلی دودھ نہیں پیتی۔''

''ہیں کیا مطلب؟ کون سا مالک اور کس کی بلی؟''۔ہم نے حیران ہو کر پوچھا تو ابو نے ہمیں اسی وقت ایک کہانی سنا دی، یہ واحد کہانی تھی جو انہوں نے ہمیں سنائی۔یہ الگ بات ہے کہ پڑھنے کو بہت کہانیاں لا کر دیں۔ان کی سنائی ہوئی یہ کہانی ہمیں ساری زندگی یاد رہے گی۔آپ بھی سنئے۔

''ایک راجہ کو بلیاں بہت پسند تھیں، اس نے اعلان کرایا کہ ہر برس ریاست میں صحت مند بلیوں کا مقابلہ ہوا کرے گا۔لہٰذا بلی پالنے کے شوقین افراد بلی کا بچہ تحفے کے طور پر حاصل کر کے پالیں اور انعام سمیٹیں۔ہر بلونگڑے کے لئے دو کلو دودھ روزانہ مفت ملے گا۔

راجہ کے اس اعلان سے جانور پالنے کے شوقین افراد میں خوشی کی لہر دوڑ [illegible] بچ گئے۔ایک چالاک آدمی بڑبڑایا ہونہہ۔۔۔۔کہیں تو انسان کے بچے کو دودھ میسر نہیں اور یہاں دیکھو بلونگڑوں کے لئے مفت دودھ بٹ رہا ہے۔پیچھے وہ بھی نہ رہا۔ایک بلونگڑا اس نے بھی حاصل کر ہی لیا کہ روزانہ مفت دودھ گھر آ جایا کرے گا۔اس آدمی نے بلونگڑے کو بچے کھچے کھانے پر پالنا شروع کر دیا اور دودھ بیچ دیا کرتا۔

جب بلیوں کے مقابلہ صحت کا وقت آیا تو ہر طرف صحت مند خوبصورت بلے بلیاں دکھائی دے رہی تھیں مگر ایک بلی ایسی بھی تھی جو نہایت کمزور، دبلی پتلی سی تھی۔

راجہ نے بلی کے مالک کو بلا کر پوچھا، کہ تمہاری بلی اتنی لاغر کیوں ہے؟ تو اس آدمی نے کہا: جناب میرے ساتھ تو دھوکا ہوا ہے مجھے بلی کا ایسا بچہ دیا گیا تھا جو دودھ ہی نہیں پیتا۔راجہ سمیت سبھی درباری حیران ہوئے''۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔

آدمی بولا جی جناب ایسا ہی ہے۔

راجہ نے اسی وقت تمام بلیوں کے آگے دودھ کا پیالا رکھنے کا حکم دیا، اس کے حکم کی تعمیل ہوئی اور بلیوں نے بھی جلدی جلدی دودھ پی لیا سوائے اس آدمی کی بلی کے جس نے دودھ دیکھتے ہی منہ موڑا اور الٹے قدموں بھاگ گئی۔راجہ نے کہا یہ شخص سچ کہتا ہے کہ اس کی بلی دودھ نہیں پیتی، چالاک آدمی فوراً بولا۔

جناب یہ میری بلی کی خصوصیت ہے لہٰذا مجھے انعام ملنا چاہئے۔صحت مند بلیوں کے علاوہ اس آدمی کی بلی کو بھی انعام دیا گیا۔وہ اپنی مریل بلی اور انعام کی رقم لے کر خوشی خوشی چلا گیا۔

اب ذرا یہ سنیئے کہ اس کی بلی دودھ کیوں نہیں پیتی تھی۔ دراصل اس آدمی نے پہلے ہی دن کھولتا ہوا دودھ پیالے میں بھر کر بلی کے سامنے رکھا اور اس کا سر پکڑ کر منہ گرم دودھ میں ڈبو دیا، بلی کا منہ جلا، وہ بھاگ گئی، دو تین بار آدمی نے یہی عمل کیا تو بلی دودھ کو دیکھتے ہی بھاگنے لگی۔یوں اس آدمی نے مشہور کر دیا کہ، میری بلی دودھ نہیں پیتی۔''

کہانی ختم ہو گئی تو ہم نے پوچھا۔ابو اس کہانی سے ملنے والا سبق بھی بتا دیں۔وہ بولے، سبق، مطلب، مقصد تم سب خود سوچو۔

لہٰذا اگر آپ نے کہانی پڑھ لی ہے تو اس کا مقصد بھی خود سمجھ جائیں۔

☆☆☆

ماضی، حال اور مستقبل ''ترقی'' کی راہ پر

پچاس ہزار سے پندرہ لاکھ تک

حافظ مظفر محسن

''جلدی کریں مجھے پچاس ہزار روپے دے دیں''۔

''پچاس ہزار روپے دے دیں بس۔ جلدی کریں''۔

میں نے یہ مطالبہ سنا تو سر پکڑ کر رہ گیا۔ بلڈ پریشر جو پہلے خاصا بلند تھا یکدم نیچے جا گرا۔ اٹھارہ روپے کی گولی نہیں کھانی پڑے گی۔ شکر ہے کمپنی کو اٹھارہ روپے کی بچت تو ہوئی؟۔ میں دل ہی دل میں تھوڑا سا خوش ہوا۔

مگر پچاس ہزار کہاں سے آئیں گے؟ ایک کنجوس شخص کے لیے یہ بہت بڑا امتحان تھا۔ سوچتے سوچتے کئی گھنٹے گزر گئے۔ یکدم یاد آیا دن کے تین بج گئے ہیں اور صبح سے اب تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔ دل میں اک لہری پھر سے اٹھی اور لمحہ بھر کو مابدولت خوش ہو گئے کہ

''پچاس ہزار روپے دیں''۔

کے اچھوتے مطالبے نے سو پچاس پھر سے بچا لیے کہ

مطالبے بدل گئے، انسان کہاں سے کہاں چلا گیا۔

بیگم نے جب مجھے بھوک سے نڈھال دیکھا اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب یہ بندہ کسی بھی وقت بے ہوش ہو کے گر جائے گا تو پاس آ کے صندل کے شربت کا ایک گلاس مجھے پیش کیا اور اس اداسی کی وجہ دریافت کی۔

سوچوں میں گم ہونے کے باعث ناشتہ نہیں کیا اور کمپنی پھر سے فائدے میں رہ گئی۔

''پھول'' میں چھپنے والا ایک کنجوس شخص کا لطیفہ رانا شاہد اقبال نے سنایا تھا جس پر اب تک مزہ محسوس ہو رہا تھا۔

ایک کنجوس شخص کے گھر فقیر گیا اور التجا کرتے ہوئے بولا ''اللہ کے نام پہ کچھ دے دے بابا''۔

اس کنجوس شخص نے فقیر کا ہاتھ پکڑ کر لوہے کے دروازے میں دے دیا!

پھر کیا ہوا؟۔

آپ نے غلط سوال کر ڈالا کیونکہ لطیفہ تو کب کا ختم ہو چکا ہے!

مزہ نہیں آیا تو جناب جان لیں کہ اب صنعت لطیفہ سازی میں لوڈشیڈنگ کے باعث ایسی ہی پھیکی مصنوعات تیار ہوتی ہیں!

پچاس ہزار روپے دے دیں۔ بات اس مشکل فقرے سے شروع ہوئی تھی!۔

دراصل میں نے پچھلے سال احمد سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے میٹرک کے سالانہ امتحان [illegible] پوری محنت سے تیار کر کے دیے تو اسے کمپیوٹر خرید کر دوں گا۔ میرا خیال تھا احمد پوری تیاری [illegible] امتحان دے [illegible] اور پچاس ہزار روپے والی بات بھول جائے گا؟۔

پرسوں احمد نے اپنا میٹرک کا امتحان مکمل کر دیا تو صبح اٹھتے ہی اس نے مجھے اس وقت دبوچ لیا جب میں صبح کی نماز پڑھ کے مسجد سے واپس آیا تھا۔ ''نکالیں والد صاحب میرے کمپیوٹر کے پیسے۔'' اس نے پر امید لہجے میں کہا۔

''پلیز مجھے پچاس ہزار روپے دے دیں''۔

میں نے شیخ نعیم سے درخواست کی تھی کہ حفیظ سنٹر سے کوئی پرانا کھٹیچر سا کمپیوٹر لا دیں۔ دس بارہ ہزار کا۔ شیخ نعیم نے سر پکڑ لیا۔ میں نے بھی سمجھداری کا ثبوت دیا بات ختم ہو گئی ہے۔ وہ تو بعد میں اس نے بتایا کہ اس دن میں کھٹیچر کمپیوٹر بھی اتنے پیسوں میں نہیں ملتا اور دکاندار کے سامنے [illegible]

''میں تو بڑا پریشان ہوں۔ احمد نے پچاس ہزار کا مطالبہ جو کر دیا ہے اپنے کمپیوٹر کے لیے''۔

''تو کون سی اس نے کوئی غلط بات کر دی ہے۔ فلاں فلاں کے پاس تو پہلے ہی اچھے ماڈل کے کمپیوٹر ہیں۔

بیگم نے وضاحت کر کے ڈرا دیا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ احمد تھا۔ نہ سلام دعا۔ اداس اداس۔ میں نے بلایا تو چپ رہا گویا صاحب بہادر فل غصے میں ہیں۔ ''احمد کچھ کھاؤ گے صبح سے تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔''

''[illegible] نہیں کھاؤں [illegible]'' احمد آہستہ سے بولا۔

[illegible] دل ہی دل میں خوش ہوا کہ چلو غصے میں اس نے بھی

کھانے پینے کی ہڑتال کردی۔ بچت ہی بچت۔
دروازے پر پھر دستک ہوئی۔
"احمد بیٹا ذرا دیکھنا باہر کون ہے۔ اگر شیخ اصغر فیصل آباد والا ہو تو صاف کہہ دینا کہ پاپا گھر پر نہیں۔" میں نے حسب معمول احمد سے کہا۔
"میں کیوں آپ کے لیے جھوٹ بولوں۔ پہلے آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔" احمد نے ناراضگی میں مجھے گھورتے ہوئے کہا۔
بیگم صاحبہ نے جب بات کو بڑھتے ہوئے محسوس کیا تو وہ آہستہ سے اٹھیں۔ اپنی الماری سے ایک پیکٹ نکالا اور لا کے میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں گھبرا گیا کہ شاید بیگم صاحبہ بھی کوئی مطالبہ کرنا چاہ رہی ہیں! "یہ کیا ہے؟۔"
میں نے حیرت سے پوچھا تو وہ بولیں "خود ہی کھول کر دیکھ لیں" موڈ سے لگ رہا تھا کہ کوئی اچھی بات ہے۔
میں نے جب پیکٹ کھولا تو اس میں چالیس ہزار روپے تھے۔
میں نے مسکراتے ہوئے بیگم کی طرف دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔
میں نے ایک سال پہلے ثمینہ کمیٹی والی کے ہاں چالیس ہزار روپے کی کمیٹی ڈالی تھی یکم جولائی کو کمیٹی نکلی تو میں نے احمد کے لیے سنبھال کر رکھ لی تھی۔ دس ہزار روپے آپ اپنی جیب سے ڈالیں اور احمد کو نیا کمپیوٹر لے کر دیں کیونکہ اس نے آپ سے محنت کر کے میٹرک کا امتحان دینے کا وعدہ پورا کر دیا ہے۔
میں نے احمد کو ساتھ لیا اور سوچتا ہوا مارکیٹ کی طرف چل پڑا کہ میں نے میٹرک کا امتحان دیا تھا اور تین ماہ کے لیے فارغ تھا تو محلے کے ایک ٹائپ سکھانے والے ادارے میں جو کہ ایک چھوٹی سی دکان میں کھلا ہوا تھا ٹائپ اور شارٹ ہینڈ سیکھنے کے لیے داخلہ لے لیا جس کی فیس صرف پچاس روپے ماہانہ تھی اور اب احمد نے میٹرک کا امتحان دیا تو اس نے پچاس ہزار روپے کا مطالبہ نہ صرف کیا بلکہ منوا کے چھوڑا کہ کمپیوٹر جو خریدنا تھا۔
آج سے بارہ پندرہ سال بعد جب احمد کا بیٹا میٹرک کا امتحان دے گا تو یقیناً وہ پندرہ لاکھ کا مطالبہ کرے گا کہ نہ جانے اس وقت کون سی چیز ایجاد ہو چکی ہو اور جو وقت کی ضرورت بھی ہو؟
"روکو...... روکو...... روکو"۔
بے دھیانی میں گاڑی زیبرا کراسنگ سے بھی آگے جا کر روکی۔ جب کہ اشارہ بھی سرخ تھا اور ٹریفک وارڈن ہاتھ میں چالان بک پکڑے سامنے کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔

ماں باپ کے ناخلف پہ جنت حرام ہے

اس شخص پہ خدا کا بہت ہی انعام ہے
ماں باپ کا خدا کی قسم جو غلام ہے
فرمایا جو حضورؐ نے کچھ غور کیجئے
ماں باپ کے ناخلف پہ جنت حرام ہے
ماں باپ کے ناخلف جلیں گے حشر کے دن
ابلیس بے ضمیروں کا پکا امام ہے
مشکل بہت ہے دیکھئے اک عمر چاہئے
بچوں کو پالنا فقط ان کا ہی کام ہے
منہ سے نکال کر یہ کھلائیں اولاد کو
جب ہو جواں اولاد تو کیا اُن کا کام ہے
ہو گا نہ بے ادب کبھی ماں باپ کا وہ شخص
سرکار دوجہاںؐ کا جو سچا غلام ہے
مرنے کے بعد ہوں گے وہ جنت کی چھاؤں میں
قدموں میں والدین کے جن کا قیام ہے
دیکھے جو ان کو پیار سے حج کا ثواب ہے
اللہ نے دیا انہیں اونچا مقام ہے
دنیا ہے چار دن کی یہ فانی حیات ہے
سنتؐ پہ بسر کیجئے اللہ کا نام ہے
اُف بھی نہ کیجئے کبھی ماؤں کے سامنے
ماؤں کا اے جاوید بڑا احترام ہے

باپ

زندگی کے رنج و غم میں مسکراتا باپ ہے
اپنے بچوں کے لئے ہر غم اٹھاتا باپ ہے
اس کی یہ قربانیاں کوئی بھلا کب پائے گا
خود پڑھا لکھا نہیں بچے پڑھاتا باپ ہے
خود اندھیروں میں رہے اور روشنی بخشے ہمیں
گمشدہ راہوں میں رستہ دکھاتا باپ ہے
مان لیتا ہے خدا فوراً ہی اس کی ہر دعا
ہاتھ جب بہر دعا اپنے اٹھاتا باپ ہے
ماؤں کے قدموں تلے جنت ہے بے شک دوستو
لیکن اس جنت کا بھی رستہ بتاتا باپ ہے
زندگی میں باپ کی خدمت ہے جس بچے نے کی
کامیابی کے بھی گر اس کو بتاتا باپ ہے
بے شبہ اولاد نے کتنا ستایا ہو اسے
اس کو بھی الفت سے سینے سے لگاتا باپ ہے
بھوکا پیاسا رہ کے اپنی زندگی پوری کرے
اپنے بچوں کو ہر اک نعمت کھلاتا باپ ہے
باپ دیتا ہے جہاں کی ہر خوشی اولاد کو
لیکن اپنے بچوں کا ہر غم ہی کھاتا باپ ہے
پھول بکھراتا ہے قدموں میں وہی اولاد کے
راہ سے بچوں کی سب کانٹے اٹھاتا باپ ہے
سنتا ہے اولاد کے دکھڑے محبت سے ریاضؔ
لیکن اپنے دل کا دکھڑا کب سناتا باپ ہے

ریاض احمد قادری۔ فیصل آباد

میرے پیارے ابا جان

ریاض احمد قادری

وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھا
دیا رب نے اسے اک بانکپن تھا

میرے والد محترم جناب مرزا غلام نبی مغل مرحوم و مغفور (1928ء۔2000ء) اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ میرا اور ان کا ساتھ 35 سال کا رہا (1965ء۔2000ء)۔ یہ 35 سال میری زندگی کے لئے ایک اثاثہ ہیں۔ اس دوران میں جو کچھ سیکھا انہی سے سیکھا۔ وہ انڈیا امرتسر سے صرف لوئر مڈل پاس تھے۔ مگر ان کا حافظہ بلا کا تھا۔ غضب کی یادداشت تھی۔ انہوں نے مرزا غالب، اقبال، مولانا روم، حافظ،

مرزا غلام نبی مغل

سعدی شیرازی، مرزا صائب، بابا طاہر ایرانی، مولانا جامی اور دیوان قادری کے سینکڑوں فارسی اشعار زبانی یاد کر رکھے تھے۔ قرآنی آیات، احادیث، ان کے تراجم اور تفاسیر انہیں ازبر تھے۔ ہر وقت ان کی زبان پر تذکرہ حق رہتا۔ اٹھتے بیٹھتے وہ یہی کچھ مجھے بھی بتاتے رہتے تھے۔ تصوف ان کا خاص شغف تھا۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے واقعات، تعلیمات اور ارشادات انہیں ازبر تھے وہ ان کی تبلیغ و تدریس کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے مجھے اس وقت ہی علامہ اقبال کے سینکڑوں اشعار زبانی یاد کروادئے تھے جب میں ابھی آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ علم و ادب کا سمندر تھے۔ دانش و عرفان کا ایک سمندر تھا جو پر وقت رواں دواں تھا۔ وہ اپنے تمام ملاقاتیوں، مہمانوں اور دوستوں کو بھی یہی تعلیمات بتاتے تھے۔ وہ ایک سادہ منش انسان سچے اور پکے مسلمان محب وطن پاکستانی اور ایک سچے عاشق رسول تھے۔ وہ مجلسی [illegible] تھے۔ گوشہ تنہائی اور گمنامی پسند کرتے تھے۔ کوئی ظاہری لباس یا بود و باش کو دیکھا جاتا کوئی شخص یہ جانچ نہیں سکتا تھا کہ ان کے پاس اتنا علم ہوگا۔ اگر ان کے پاس کوئی باقاعدہ ڈگری ہوتی تو یقیناً وہ فارسی زبان و ادب یا اردو کے پروفیسر ہوتے۔ ان کے پاس جو علم تھا وہ انتہائی ٹھوس تھا۔

وہ ایک محنت کش تھے۔ لکڑی اور لوہے کے بہترین کاریگر تھے۔ گھر کی اکثر چیزیں ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہیں۔ وہ رزق حلال کماتے اور اپنی اولاد کی پرورش رزق حلال سے کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے ان کی اس اعلیٰ تربیت کی وجہ سے ان کے دو بچے پروفیسر اور دو بچے ڈاکٹر (میڈیسن سپیشلسٹ) بن گئے۔ انتہائی با اصول اور با اخلاق تھے۔ اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہ کرتے تھے۔ ہر وقت مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ کتابیں پڑھتے اور ان کے نوٹس بھی لیتے تھے۔ ان کے پاس تاریخی کتب کا ایک ذخیرہ تھا جو ہر وقت ان کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔ جو پڑھتے دوسروں کو بھی بتاتے اور خود تو اس کی مجسم عملی تصویر تھے۔ وہ اپنے علم پر عمل بھی کرتے تھے۔ قائداعظمؒ کے بہت بڑے عقیدت مند تھے۔ تقسیم ہند کے وقت ہونے والے ظلم کو ہمیشہ یاد رکھتے اور آخری دم تک اس ظلم پر آنسو بہاتے رہے۔ انہیں اپنے پیاروں

ریاض احمد قادری

کے شہید ہونے کا شدید غم تھا۔ قائداعظمؒ کے فرمان کام کام اور بس کام پر عملی طور پر عمل کرتے تھے وہ ہر وقت کام اور کام کے خوگر تھے۔ اپنی وفات والے دن پیر 27 مارچ 2000ء کو بھی کام کر رہے تھے اور کام کے سلسلے میں گھر [illegible] باہر گئے تھے کہ دل کا دورہ پڑا اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خدا رحمت [illegible] ایں عاشقان پاک [illegible] را

میرے عظیم باپ

پہلی جماعت میں داخلہ......سکول کا ماحول......والد گرامی مجھے لے کر استاد محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمانے لگے "ہر دم تمہو مایہ خویش را" لہجہ کچھ اس قدر متاثر کن تھا کہ استاد محترم نے میرے ابو کی میرے ساتھ محبت کی یوں لاج رکھی اور والدِ محترم کی یُوں عزت افزائی فرمائی کہ میں پہلی جماعت میں اعلیٰ پوزیشن لے کر کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

والد محترم میرے استاد گرامی کا بہت احترام فرماتے تھے۔ یہ سب اس لئے تھا کہ استاد محترم سب بچوں کو

محمد صدیق [illegible] اپنے والد میاں دوست محمد صاحب

نہایت ہی شفقت اور محنت سے پڑھاتے تھے۔ وہ بچوں کو مارتے نہیں تھے اور بچے بھی اُن کا بے حد ادب کرتے تھے۔ خاص طور پر میرے ساتھ اُن کا رویہ بڑا ہی مشفقانہ اور ایک باپ بیٹے جیسا تھا۔ میں سمجھتا ہوں یہ سب کچھ میرے والد محترم کی وجہ سے تھا۔ ایک دفعہ والد گرامی نے کچھ رقم استاد صاحب کی اعلیٰ خدمات کی وجہ سے اُن کی خدمت میں پیش کی۔ استاد صاحب نے انکار کر دیا۔ والد صاحب فرمانے لگے جو استاد ہمارے گھر بچوں کو پڑھانے آئے ہیں ہم اُن کی خدمت بھی کرتے رہتے ہیں۔ پلیز استاد محترم نے معاملہ ہیڈ ماسٹر صاحب کی خدمت میں عرض کیا تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم تھا کہ ماسٹر جی رکھ لو۔ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہے اور یہ اسی طرح اپنے خلوص کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔

یہ چند سطور صرف سکول کی زندگی کے ابتدائی دور سے متعلقہ ہیں۔ کہ میں ماں باپ، رشتے داروں، بھائی بہنوں، دوستوں، ان کی تجارتی زندگی اور قدم قدم پر میرے ساتھ شفقتوں، محبتوں اور چاہتوں کی داستانیں میری زندگی کا انمول سرمایہ ہیں۔

چودھری اسد اللہ خان

سرور کائنات امام الانبیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے اور باپ جنت کا دروازہ ہے" ظاہر ہے کہ اگر جنت کا دروازہ نہ کھلے تو پھر جنت میں داخلہ ناممکن ہے۔ اسی لئے حکم خداوندی کی بزبان قرآن میں تاکید فرمائی گئی کہ صالح اولاد کے لئے اطاعت والدین ہر صورت لازم ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔ مزید فرمایا گیا کہ والدین اگر بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں "اُف" تک بھی نہ کہو۔

میرا باپ، عظیم باپ

باپ کی فضیلت تخلیق آدمؑ کے بے مثال واقعہ سے بھی ہو جاتی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے سب سے پہلے باپ کو آدمؑ کی شکل میں اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا پھر اس کو اپنے نائب یعنی خلیفۃ اللہ کا اعزاز بخشا۔ بعدازیں تمام ملائکہ سے حضرت آدمؑ کو سجدۂ تعظیمی کروا کے اس حقیقت کا اعلان کر دیا کہ "فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا" باپ کی عظمت اور مقام کے سلسلہ میں مجھے اپنے والد گرامی چودھری محمد اسحاق کا ذکر کرنا ہے۔ آپ کی تعلیم پرائمری تھی لیکن پندرہ سالہ آرمی سروس میں لکھنے پڑھنے کی استعداد کافی بہتر ہو گئی۔ 1941ء میں ضلع امرتسر (انڈیا) کے نواحی قصبہ "کڑیال" سے ابا جان نے برطانوی فوج میں بطور سپاہی شمولیت اختیار کی۔ 1956ء میں فوجی سپاہی (نائیک) ریٹائر ہو کر گھر لوٹے تو ابھی 35 سالہ قابل رشک صحت مند انسان تھے۔ والد صاحب نے دوسری جنگ عظیم (1939 تا 1945ء) میں حصہ لیا اور برما کے محاذ پر متعین رہے۔ 1965ء میں پاک بھارت جنگ میں آپ کو ری کال کیا گیا تو راجستھان سیکٹر پر بطور پاکستان غازی کامران لوٹے۔ کھیتی باڑی میں مشغول ہو گئے۔ محنت، سادگی اور توکل ابا جان کی زندگی کا خاصہ تھا۔

راقم نے زندگی بھر انہیں پابند نماز، روزہ اور تہجد گزار پایا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ انہوں نے کبھی اپنی اولاد کو ہاتھ سے مارا ہو۔ اُن کا انداز برہمی فقط ڈانٹ تک محدود تھا جو کہ سخت مار سے بھی زیادہ کارگر تھا۔ گاؤں کی واحد [illegible] مسجد میں غازی چودھری محمد اسحاق کی دی [illegible] اذانوں کی تعداد آج بھی اہالیان دیہہ کی [illegible] خوشگوار یادوں کی صورت میں محفوظ ہیں۔ والد گرامی گاؤں کے اولین آبادکاروں میں سے تھے۔ اُن کی بہت سی باتیں ریکارڈ ساز اور حیرت انگیز معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً وہ 1956ء میں آرمی سے پنشن لے کر آئے اور 31 اگست 2013ء تک یعنی 57 سال پینشنر رہے۔ اُن کا انتقال 92 سال کی عمر میں گاؤں بھر میں طویل ترین عمر پانے والے کی حیثیت میں ہوا۔ زندگی کے آخری ایام 25 اگست تا 31 اگست 2013ء والد صاحب کے سرکاری ہسپتال حافظ والا تحصیل پپلاں میں گزرے اور حیرانگی کی حد تک عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔

31 اگست 2013ء کو پونے چار بجے صبح ابا جان نے میری گود میں چار چمچ پانی پیا میں نے اُن کا سر تکیے پر رکھا انہوں نے تین چار سانس لئے اور نہایت ہی اطمینان سے دارِ فنا سے دارِ بقا کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ انتہائی چھوٹے گاؤں (چک نمبر 14 ایم ایل) میں پہلی مرتبہ والد صاحب کی نماز جنازہ میں تقریباً ایک ہزار کے قریب لوگ شامل ہوئے جس کو سب نے ایک نیک شگون گردانا۔ ہم تینوں بھائیوں نے والد صاحب کی میت کو قبر میں اتارا، کفن کے سر کا بند کھولا تو چہرہ مبارک کو پہلے ہی قبلہ رو پایا۔ تعزیت کرنے والوں میں گاؤں کے بشیر احمد ڈوگر صاحب نے بتایا کہ مرحوم فجر کی نماز کے وضو کے ساتھ کھیت میں چاشت کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ تعزیت کے موقع پر کچھ مقتیان اور دوستوں نے بتایا کہ وہ فلاں فلاں مسجد اور مدرسہ کی مالی اعانت کیا کرتے تھے۔ ابا جان کی زندگی کے آخری تین روز قومے میں گزرے۔ یہ والد صاحب کی شخصیت کا فیض تھا کہ میں اُن کی موجودگی میں 70 سالہ بوڑھا بھی خود نوجوان ہی سمجھتا تھا۔ اب وہ نہیں ہیں تو میں صفِ اوّل کے بوڑھوں کی صف میں آ گیا ہوں۔ اب میرے دل کی ہے صدا۔ میرا باپ عظیم باپ تھا۔

آخر میں بارگاہ رب کریم میں التجا ہے کہ وہ میرے باپ کی بشری کمزوریوں کو اپنے کرم خاص سے معاف فرمائے۔ اُن کی قبر کو جنت کا باغیچہ بنا دے اور ہم سب بہن بھائیوں کو اُن کے لئے صدقہ جاریہ ثابت کرے۔

آمین

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

نقش ہاشمی

میرے والد

ماں کا ہونا ایک بچے کے لیے نعمت سے کم نہیں ہوتا لیکن میں ماں کی محبت سے چھوٹی عمر میں ہی محروم ہو گئی تھی جب ہوش سنبھالا تو باپ کی شفقت کو اپنے اردگرد پایا۔ میرے والد جناب غلام محمد نقش ہاشمی ایک عظیم شاعر، درویش صفت انسان اور بہت محبت کرنے والے شفیق باپ تھے

گو کہ میرے والد تقسیم کے وقت بھارت سے مہاجر ہو کر آئے لیکن یہاں آنے کے بعد انہوں نے ہم سارے بہن بھائیوں کو پڑھائی کے یکساں مواقع فراہم کیے۔ کبھی بھی بیٹی اور بیٹے میں فرق نہیں کیا یہاں تک کہ شاعری میں بھی ہماری اصلاح اور حوصلہ افزائی کی۔ مجھے فخر ہے کہ میری تعلیم و تربیت ایک دردمند دل رکھنے والے خوبصورت انسان نے کی جو ایک ولی تھے۔ دوسروں کی مدد کرنا، کم کھانا، کم سونا، نرمی سے بات کرنا، اپنے منہ کا نوالا اپنے بچوں کو دینا یہاں تک کہ جانوروں سے محبت کرنا اور سردیوں میں اپنے تن کے کپڑوں سے کسی ضرورت مند کو ڈھانپنا ان کی اعلیٰ صفات تھیں۔ ان کی جوانی میں ہی ہماری والدہ انتقال کر گئی تھیں لیکن اپنے بچوں کی بہتر پرورش کی خاطر ان پر سوتیلی ماں کا سایہ نہیں پڑنے دیا۔ ان کی پاکیزگی اور عمدہ اخلاق کی اہل علاقہ بھی قسم کھاتے تھے۔

کچھ سال پہلے وہ ہم سے جدا ہو گئے۔ مجھے ان کی بیٹی ہونے پہ فخر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔ ان کی خوبصورت یادیں میرے ساتھ ہیں۔

صفحہ بتائیے انعام پائیے

اقراء گل (فورٹ عباس)، حسیب ارشد (چیچہ وطنی)، ایمان احمد، زین العابدین (جڑانوالہ)، محمد آیکان اکرام (شیخوپورہ)، زوریز (گوجرانوالہ)، مریم کاشف (حیدرآباد)، مائرہ امجد (مریدکے)، محمد ذوالقرنین سرور (دھنڈر کلاں)، انیلہ ارشد (فقیروالی)، عاقب جنید (چوآسیدن شاہ)، صوفیہ ایمان (فقیروالی)، زورین السلام عروبی (داجل)، عظیم زوگر (ملتان)، ملک محمد عمر (چیچہ وطنی)، راہ مدثر افضل (روہیلانوالی)، نمرہ اسماعیل (منڈی بہاؤالدین)، جام یحیٰی سعید (روہیلانوالی)، خواجہ محمد مدنی (روہیلانوالی)، محمد عزیر خالد (شکرگڑھ)، اروبی معطر بیگ (جلالپور جٹاں)، جام مبشر سعید (روہیلانوالی)، طیبہ اسماعیل (منڈی بہاؤالدین)، توشیق احمد (چپلاں، میانوالی)، عبداللہ ثقلین (بہاولپور)، پاکیزہ خالد (لیاقت پور، رحیم یار خان)، عفیفہ خالد (لیاقت پور)، صبیحہ حافظ (بھوانہ چنیوٹ)، ہما گل (ڈنگہ)، ارسلان احمد (چپلاں، میانوالی)، رمیشا ابراہیم (کراچی)، افتخار علی چوہان (لیہ)، عبدالعزیز میو (شجاع آباد)، محمد شہباز عباس (روہیلانوالی)، محمد نعیم عباس (شجاع آباد)، خواجہ شعیب (روہیلانوالی)، محمد ساجد منشاء (لاہور)، جام عدنان غفور (روہیلانوالی)، جمعیت ندیم (کالا گجراں، جہلم)، محمد قمر الزمان (قائدآباد، خوشاب)، حمزہ یعقوب (مظفرگڑھ)، نور سیدہ ثر (سیالکوٹ)، مریم غلام نبی خان (لاہور)، عمرہ اسلم (کوٹ ادو)، سید شہریار علی (لاہور)، عدیلہ خضر (فورٹ عباس)، محمد زکریا (چکڑیالی، مانسہرہ)، اقراء یمین (واسو منڈی بہاؤالدین)، یاسر جاوید (لاہور کینٹ)، لائبہ مریم (خان پور)، سیف الرحمن گجر (مظفرگڑھ)، سارہ جاوید (لاہور کینٹ)، عبدالرافع (کوٹ ادو)، محمد فیصل ابراہیم (ملتان)، طاہر فاطمہ (میاں چنوں)، محمد رفاقت حسین (کھاریاں)، ایمان فاطمہ (ڈی جی خان)، طیبہ جعفری (لاہور)، امیمہ بتول (چکوال)، روحی فاطمہ (بہاولپور)، عروج عمر (نارنگ منڈی)، عقیقہ احسان (سیالکوٹ)، فاطمہ خالد (لاہور)، آمنہ یوسف (کوٹ لدھا، گوجرانوالہ)۔

انعامات کی برسات

صفحہ بتائیے

1۔ عبداللہ ثقلین۔ بہاولپور
2۔ فاطمہ خالد۔ لاہور
3۔ مریم غلام نبی۔ لاہور
4۔ صوفیہ ایمان۔ فقیروالی
5۔ توشیق احمد۔ چپلاں، میانوالی

صفحہ بتائیے۔ درست جوابات

(i)21۔(ii)11۔(iii)68۔(iv)54۔(v)46

دارالسلام کوئز

1۔ اقراء ندیم۔ کراچی
2۔ شہریار۔ لاہور
3۔ اصغر عزیز۔ مستونگ
4۔ عائشہ تنویر۔ ہری پور ہزارہ
5۔ اسلم ملک۔ نارووال

دارالسلام کوئز۔ درست جوابات

(i)1,05681۔(ii) فرشتے نے آکر بشارت دی تھی۔ (iii) ابواء۔ (iv)14 مرتبہ۔ (v) جنرل یحییٰ خان کے دور میں۔

زبردست جملہ

1۔ خدیجہ مدثر۔ سیالکوٹ
آدیکھیں ذرا
کس میں کتنا ہے دم
2۔ دانش علی۔ لاہور
اسٹریٹ کوفٹبال ٹورنامنٹ
3۔ ملک محمد عمر۔ چیچہ وطنی
غریب کا بچہ ترستا ہے اک گیند کو
امیر کے مرغے بھی راج کرتے ہیں
4۔ محمد ذیشان۔ واسو، منڈی بہاؤالدین
مرغے کھیلتے ہیں فٹبالوں کے ساتھ
یہ دنیا ہے دل والوں کے ساتھ
5۔ عائشہ طارق۔ دھول کلاں، گجرات
کھیلوں کا جنون سرچڑھ کر بولتا ہے یہاں
انسان تو انسان ہیں ہر مرغا فٹبال کھیلتا ہے یہاں

تین بہترین کہانیاں

اول: کہانی۔ روشنی سے تاریکی کی طرف۔
لکھاری: دلشاد نسیم
دوم: [illegible] خیر خواہ۔ لکھاری: ڈاکٹر زاہدہ پروین
سوم: [illegible] لکھاری: سارہ جاوید
[illegible] مقابلے میں [illegible]

کوئز کی دنیا

1۔ سدرہ اقبال۔ جام شورو
2۔ کاشف بخاری۔ اسلام آباد
3۔ عبید محمود۔ چارسدہ
4۔ شازیہ عمران۔ میرپور
5۔ عاصم چشتی۔ حیدرآباد

کوئز کی دنیا جون 2014ء کے درست جوابات

(i) 5 مارچ 1953ء (ii) 13 اکتوبر 1900ء (iii) 18 جنوری 1949ء (iv) 27 اپریل 1962ء (v) 28 اپریل 1943ء

جون 2014ء میں شائع ہونے والے زبردست جملہ کی تصویر

مقابلے میں حصہ لینے والے تمام لکھاری اپنی تحریریں [illegible]

اس ماہ کے جملے

1۔ دوغریبوں کے ہمدرد اور ان کی دلجوئی کرنے والے تھے۔
2۔ میری آنکھوں میں ہر اک عکس ایسے رقص کرتا ہے۔
3۔ جب تک بچوں کے لیے ادب تخلیق نہ کیا جائے کوئی قوم صحیح معنوں میں ترقی نہیں کر سکتی۔
4۔ اللہ تعالیٰ کیسے دیتا ہے۔ میں نے تو کبھی دیکھا نہیں۔
5۔ اور خوش کیوں نہ ہوں کیونکہ وہ میرا فخر اور سرمایہ ہیں۔

کوئز کی دنیا

1۔ جدید فٹ بال کی بنیاد کس ملک میں پڑی؟
2۔ شطرنج کا جادوگر کس پاکستانی کھلاڑی کو کہتے ہیں؟
3۔ فٹ بال کے میدان کی لمبائی اور چوڑائی کتنی ہے؟
4۔ بہت بڑا جنگی ناول نگار کس کو کہتے ہیں؟
5۔ پشتو زبان کے سب سے بڑے شاعر کا نام کیا ہے؟

اس ماہ کے جملے

جو پانچ جملے دیئے گئے ہیں وہ "پھول" کے مختلف صفحات پر موجود ہیں وہ پانچ جملے تلاش کریں اور پھول میں موجود کوپن پر ان صفحات کے نمبر لکھ کر 10 تاریخ تک بھجوادیں۔

زبردست جملہ

آخری صفحے پر شائع کی گئی تصویر کے حوالے سے زبردست جملہ "پھول" میں موجود کا پن پر لکھ کر 10 تاریخ تک بھجوادیں اور انعام پائیں۔

نرالے ہیں انداز ہمارے
جانے کب جاؤں گا حج کرنے..... محمد ابراہیم جمیل دھندرڑ..... آزاد کشمیر
کاش! میری صحت بھی حبیب کی طرح
اچھی ہو جائے۔ فیضان بدر، بورے والا
کھانے پینے اور خوش رہنے سے صحت اچھی ہوتی ہے
جلنے اور سنجیدہ رہنے سے نہیں۔ حبیب بدر، بورے والا
کب تک سینری سے دل بہلائیں گے۔ ابو نہ جانے
کب ہمیں مری لے جائیں گے۔ سفیر امین، نارووال

منزہ اکرم

سوچتی ہوں انسان، فرشتے اور نبی میں کیا فرق ہوتا ہے۔

حیرت کدہ

مجھے ایشور نگر کی گلیاں اور راستے بہت پیارے ہیں۔ ان راہوں پر آتے جاتے میں نے زندگی کی حقیقتیں سیکھی ہیں۔ رب سے تعلق مظبوط کیا ہے۔ دین سے محبت سیکھی ہے، پیارے رشتوں پر بھروسہ کرنا سیکھا ہے۔ بچپن کی یادیں مجھ پر حاوی رہتی ہیں۔ کیونکہ بچپن سے زیادہ آزاد زمانہ کوئی نہیں ہوتا۔ اسی لیے سب بچپن کو یاد کرتے ہیں۔ بچپن میں میں اپنے والد سے بہت قریب رہی ہوں۔ چاہے وہ سیر کے لیے جاتے یا بازار سے سودا سلف لینے جاتے میں ضرور ساتھ جاتی۔ اگر وہ بچ بچا کر نکل جاتے اور مجھے پتہ چل جاتا تو بھلے میرے بال بکھرے ہوتے یا کپڑے گندے ہوتے میں پرواہ نہ کرتی اور بھاگ کر پیچھے سے گلی میں جا پکڑتی۔ جب میں اُن کی انگلی مضبوطی سے پکڑتی تو مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے کسی خزانے کی چابی میرے ہاتھ میں ہے مجھے معلوم ہوتا کہ جو چاہوں گی کھالوں گی جو مانگوں گی پالوں گی مگر تب میری خوشی اور خواہش صرف یہ ہوتی کہ جاتے ہوئے چاکلیٹ مل جائے اور آتے ہوئے غبارے اور

محمد اکرم۔ والد منزہ اکرم۔ لاہور

صابن کے بلبلے! اور وہ وقت میری تربیت کا ہوتا۔ ہم دونوں باتیں کرتے۔ کبھی ابو میرا احتساب کرتے ہوئے مجھ سے دن بھر کی کارروائی پوچھتے کہ سکول میں کیا کیا؟ کبھی میں خود ہی کوئی ایسی بات بتانے لگتی جو میرے لیے نئی اور اچھوتی ہوتی اور نئی نئی میرے علم میں آتی یا بات کا اطلاق اپنے اوپر کرنے سے پہلے اپنے ابو سے تصدیق کرواتی۔

ایک شام میں پلیٹ فارم پر انکی انگلی پکڑے جا رہی تھی تو میرے ذہن میں عجیب سا سوال ابھرا۔ میں نے ان سے پوچھا "آپ مجھے اتنی چیزیں دلاتے ہیں، نئے نئے کھلونے دلاتے ہیں تو یہ سب آپ [illegible]

سے پہلے کہ میں ان سے یہ پوچھ کر انہیں الجھاتی کہ وسیلہ کیا ہوتا ہے میرا اپنا پاؤں پلیٹ فارم کی کانٹا بدلنے والی تاروں میں اُلجھا اور میں لڑکھڑا کر گرنے لگی۔ ابو نے اپنی انگلی چھڑا کر لپک کر میرا بازو پکڑ لیا اور مجھے گرنے سے بچا لیا۔ وہ لمحہ بھی میرے لیے ٹرین کا کانٹا بدلنے کی طرح ہی تھا۔ اُس لمحے مجھے یوں لگا کہ ابو کا ہاتھ ایسے ہی ہے جیسے مجھے گرنے سے بچانے کے لیے اللہ نے وسیلہ پیدا کیا ہے۔ میں نے پھر بات پر واپس آتے ہوئے ان سے اُسی بچگانہ انداز میں پوچھا "تو پھر میں بھی آپ سے نہ مانگا کروں اللہ سے ہی مانگا کروں؟"۔

میرے معصومیت بھرے سوال پر وہ مسکرا دیئے اور کہنے لگے۔ "اللہ تعالیٰ چھوٹے بچوں کو امی ابو اسی لیے دیتا ہے کہ وہ ان سے اپنی خواہشات کہیں۔ بچے تو اپنے ابو کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہت کچھ دے۔"

وہ شام میرے لیے بہت یادگار ہے ہم پھاٹک پار کر کے سڑک پر اسی جگہ آئے جہاں سے بازار شروع ہو جاتا پھر میں دو ڈھائی فٹ کی بچی بڑے بڑے قد والوں میں چھپ جاتی۔ میں سر اُوپر اُٹھا کر دیکھتی مگر کچھ نظر نہ آتا تو مجھے بہت اُلجھن ہوتی۔ میں ابو کی انگلی پکڑے لوگوں سے ٹکراتی اُنکے پیچھے بھاگتی رہتی مگر اُس دن میں باتوں میں اتنی مگن تھی کہ مجھے احساس ہی نہ ہوا کہ میں لوگوں سے ٹکرا رہی ہوں۔ میں جو باتیں کر رہی تھی وہی دیکھ بھی رہی تھی۔ چونکہ اُسی دن سکول میں میں نے عقائد اسلام کے بارے میں پڑھا تھا۔ میں نے پھر پوچھا "ابو جان کیا نبی بھی فرشتے ہوتے ہیں؟"۔

وہ کہنے لگے "نہیں میری جان! نبی تو اللہ کے ایک صاف بندے ہوتے ہیں [illegible] اپنایا [illegible]

آتا ہے؟"۔ وہ مسکرا کر کہنے لگے نبی اللہ تعالیٰ دیتا ہے اللہ ہی ہمارا مالک ہے۔"

میں نے پھر معصومیت سے کہا۔ "اللہ تعالیٰ کیسے دیتا ہے میں نے تو کبھی نہیں دیکھا۔"

وہ کہنے لگے "وہ ہماری دعائیں قبول کرتا ہے، وسیلے پیدا کرتا ہے آگے بڑھ کر ہاتھ تھامتا ہے۔" میں منہ اوپر اٹھائے انکی طرف متوجہ ہو کر انکی باتیں سن رہی تھی۔ اس

ہوتا ہے۔ اور فرشتے تو اور مخلوق ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "نبی کیا کرنے آتے ہیں؟"

وہ بتانے لگے "نبی اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ وہ تو نمونہ ہوتے ہیں کہ ان جیسا بننا چاہیے اور فرشتے تو بس اللہ کی عبادت کرتے ہیں"۔

میں نے کہا "ابو جان تو فرشتے ہم سے اچھے ہوئے ناں"!۔

وہ کہنے لگے۔ "نہیں میری بچی انسان فرشتوں سے بہتر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اپنا برا بھلا سوچ سکتے ہیں۔ فرشتے تو ایسا نہیں کر سکتے"۔ اس دن مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ بلبلے والا کہاں گزر گیا۔ غبارے بھی میرے ابو نے مجھے خود ہی دلا دیئے میں نے ان کی باتوں سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ اللہ پر بھروسہ کر کے نبیوں کی طرح پاک رہ کر فرشتوں سے بہتر بننا ہی اچھی زندگی ہے۔

پھر شب و روز گزرتے رہے اور میں ایسی ہی اچھی زندگی بسر کرتی بڑی ہوگئی۔ ہر معاملے میں مجھے یاد آتا کہ اپنے لئے فیصلہ کر لینا ہی فرشتوں پر فضیلت دلاتا ہے۔ مگر میری زندگی میں ایک دن ایسا بھی آیا جس نے مجھ پر یہ انکشاف کیا کہ کبھی کبھی انسان کی زندگی میں ایسا کڑا وقت بھی آتا ہے کہ جب قوت رکھنے کے باجود وہ فیصلہ نہیں کر پاتا۔ اس دن میں بھی انسان نہ بن سکی مجھے فرشتہ ہی رہنا پڑا۔ تب تک مجھے آڑ میں کام کرنا بھی آ گیا تھا اور سازش کرنا بھی۔ اور مجھ پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ ہر ایک کا ایک مقام ہوتا ہے چاہے وہ فرشتہ ہو یا انسان! اور چاہے فرشتہ ہو یا انسان جب اپنے مقام سے گرتا ہے تو شیطان بن جاتا ہے۔ میں پھر دنیا کے جنگل میں اُلجھی پڑی رہی کہ انسان تو کچھ بھی نہیں یا سب کچھ ہے۔ اپنے آپ کو روک لے فرشتہ۔ کر گزرے تو شیطان۔ گناہوں سے بچا رہے تو نبیوں کی طرح معصوم۔ نہ بچے تو معتوب!

پتہ نہیں اب میں بچی کیوں نہیں رہی کہ ابو کی انگلی پکڑ کر معصومیت [illegible] پوچھ سکوں [illegible] ابو جان انسان کیا ہوتا ہے"

☆☆☆

خولہ ثاقب

”میرے پاپا“

رات کے کسی تاریک پہر میں جب میں نے سوچ کے گہرے بحر میں سے ایک قطرہ لیا تو میں نے اپنے آپ کو احسانوں کے قلعوں کے نیچے دبا پایا۔ میں چاہوں بھی تو ان قلعوں سے اپنے آپ کو آزاد نہیں کرواسکتی۔ مجھ پر سب سے بڑا احسان تو میرے خدا کا ہے اور پھر اسکے رسول ﷺ اور وہ ذات جو میرے لیے اس دنیا میں محبت ورحمت کا ذریعہ ہے وہ میرے والدین ہیں۔ میری ماں تو سب سے اچھی ہیں اور پاپا بھی بہت اچھے ہیں جب میں اپنے والد کے اپنے اوپر احسانات دیکھتی ہوں تو دل ونگاہ ان کی مہربانیوں اور محبتوں کے سامنے جھکے جاتے ہیں اور میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ میں ان کے احسانات، ان کی شفقت، انکی محبت کا صلہ دے سکوں۔

میرے پاپا! میرے لیے ایک ایسے پھول کی مانند ہیں جو اپنے آپ کو دنیا کی دھوپ میں جھلسا کر (مجھ کو) زردانے

خولہ ثاقب اپنے والد نصر اللہ خان ثاقب کے ساتھ

کی مانند دنیا کی دھوپ چھاؤں سے بچائے ہوئے ہیں۔۔ مانا کہ خدا ہی بچانے والی ذات ہے مگر ذریعہ تو میرے پاپا ہیں۔ سب سے اچھے پاپا۔ جذبات کو اپنے قلم سے کاغذ پر منتقل کرنے میں بڑا وقت لگے گا مگر میرا وقت تو میرے والد کے لیے ہے۔ میں اس رشتے کو مضبوط کرنا چاہتی ہوں۔ یہ رشتہ تو ہے ہی مضبوط اتنا کہ لفظوں میں سمویا نہیں جاسکتا۔

میرے والد انتہائی شفیق اور ملنسار ہیں ہر ایک سے گھل مل جانے والے اور بہت اچھے۔ میرے پاپا کہتے ہیں کہ یقین اور اعتماد کے بغیر زندگی کے کسی بھی محاذ پر کامیابی ممکن نہیں جبکہ اس کے برعکس غیر یقینی اور بداعتمادی چاہے کسی بھی طرز یا معاملہ میں ہو بگاڑ پیدا کرتی ہے۔ میرے پاپا کا یہ سبق میرے لیے راہنما تھا، ہے اور رہے گا۔

مانگے کی روشنی سے نہ پاؤ گے راستہ
اس تیرگی میں لے کے خود اپنے کنول چلو

میرے اندر جذبہ ہمدردی، جذبہ حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ایسے جیسے کوئی نکالنا بھی چاہے تو نہیں نکال سکتا یہ میرے والدِ محترم کا کمال ہے وہ مجھے ہر وقت کوئی نہ کوئی ایسی بات بتاتے رہتے ہیں جو میرے اندر مثبت جذبوں کو جلا بخشتی ہے۔ میں صبح اٹھ کر ہمیشہ کوشش کرتی ہوں کہ سکول جانے سے پہلے اپنے والدین کو ناراض نہ کروں۔ ایک بار جب میں صبح اٹھی تو کسی بات پر میں نے والد اور والدہ دونوں کو ناراض کر دیا سکول جا کر ایسا ہوا کہ میں سمجھ گئی کہ

یہ ہے اُس غفلت کا نتیجہ جو تم صبح کر آئی ہو
ناراض کر کے ان کو مصیبت کو بلا لائی ہو

میرے پاپا نے اپنی اولاد کی خاطر بہت مشکلیں جھیلیں۔ ان کے تبادلے کئی جگہ ہوئے بعض اوقات اتنی دور کہ ہفتے بعد بھی آنا مشکل لگتا تھا مگر پاپا جب گھر آتے تو ان کا چہرہ صرف ہماری خاطر کھلا ہوتا گویا وہ اس پھول کی مانند ہیں جو اپنی طرف آنے والے لوگوں کو خوش کرنا چاہتے تھے...... چاہنے والوں کو مایوس نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

لاہور سے ان کا تبادلہ جب حافظ آباد ہوا تھا تو میں اس وقت ششم جماعت میں تھی۔ میری تعلیم کی وجہ سے میری والدہ، میں اور میرے بھائی نہ جاسکے۔ دو سال انہوں نے جس مشکل سے گزارے اس کا اندازہ ان کی صحت سے لگایا جاسکتا ہے۔ شوگر کے مریض ہیں بہت مشکل سے رہے۔ اکیلے رہنا، اکیلے کھانا پکانا، کپڑے دھونا۔ دو سال میں وہ ہر ہفتہ آتے تو ہمارے چہرے شاداں و فرحاں ہوجاتے۔ ہمیں احساس ہوتا کہ جن کے پاپا کسی اور ملک میں برسر روزگار ہیں وہ نہ جانے اس تنہائی کو کیسے محسوس کرتے ہوں گے [illegible] ہیں جب یہ سوچیں ہمارے دماغ میں رواں ہوتیں تو ہم خدا کا شکر ادا کرتے۔ دو سال بعد ان کا تبادلہ خوشاب میں ہوا آپ نے ڈپٹی ڈسٹرکٹ پبلک پراسیکیوٹر کا عہدہ سنبھالا تو ہم بہت خوش تھے مگر ایک بات کا غم بھی تھا کہ پاپا پھر ہم سے دور ہو گئے ہیں۔ گویا دوری صرف عارضی تھی مگر یہ عارضی دوری تین سال کی دوری (شامل) ثابت ہوئی مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب ہر اتوار کی رات پاپا جانے کی تیاری کر رہے ہوتے۔ ماما بھی ان کی مدد کرواتیں۔ جب واپس آتے تو ان کے بیگ میں ہمارے لیے خوشاب کی مشہور سوغات 'ڈھوڈا' اور پتیسہ ضرور ہوتا۔ ہم خوش ہوجاتے اور تھکن سے چور ہوجانے کے باوجود ہماری خوشی میں خوش ہوجاتے۔ خدا خدا کر کے ان کا تبادلہ اب لاہور ہو گیا ہے ہم بہت زیادہ خوش ہیں۔ اتنے خوش کہ خوشی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ اب روز پاپا ہمیں سکول چھوڑنے جائیں گے۔ کبھی ادھر کبھی اُدھر گھومنے جائیں گے۔ ہماری مرضی سے ہمیں پیسے ملیں گے۔ اتنے مزے ہوں گے۔ میرے پاپا میرے لیے خدا کا وہ تحفہ ہیں جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ میں ان کے احسانات تلے دب چکی ہوں۔ انکی قرض خواہ ہوں اور اتنا قرض ہے مجھ پر کہ اپنی اگلی زندگی کا لمحہ لمحہ بھی صرف کر دوں تو اس کا ایک حصہ بھی ادا نہیں کر سکتی۔ اللہ مجھے میرے پاپا اور ماما دونوں کی خدمت کا موقع عطا فرمائے۔

پھول ہیں وہ ایسا کہ کوئی ان جیسا نہیں
شہد سے وہ لبریز ہیں رنگوں سے بھرے ہوئے
اپنے زردانوں کو دھوپ کی گرمی سے بچائے ہوئے
ہماری ہر ایک آہ، آنسو بہانے والے
ہمیں سرد و گرم سے وہ بچانے والے
کتنی مشکلیں سہیں، کتنے سفر کاٹے
انہوں نے یہ کٹھن دن صرف ہماری خاطر کاٹے
کرتے ہیں وہ ہم سے جی بھر کے پیار
ہمیں بھی ہے ان کی وفاؤں پہ اعتبار
کیا پیارا تحفہ خدا نے دیا ہے ہمیں
پاپا کی صورت میں گلستان دیا ہے ہمیں
گلستان کے پھول کھلتے ہیں ایسے
رحمت و شفقت برس رہی ہو جیسے
خولہ، کیا عرض کروں میں آپکی شان میں
[illegible] جبری [illegible] آپ کے لیے امیری جان میں

☆☆☆

میرے عظیم والد

حمیدہ بی بی

نہ تو ہم اپنے والد کو خراج تحسین پیش کر سکتے ہیں اور نہ ان کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ چھوٹا منہ اور بڑی بات۔ 1935ء میں جلالپور جٹاں میں جنم لینے والی یہ عظیم شخصیت ان لوگوں میں شامل تھی جو آپ اپنی دنیا بنا گئے۔

میرے عظیم والد حاجی اللہ دتہ جو گجرات کے سپوت تھے۔ انکا بچپن زندگی کی تمام تر ناہمواریوں سے بھرپور تھا۔ لیکن اپنی والدہ محمد بی بی کے کہنے پر چلتے رہے۔ زندگی کے گرم و سرد میں الجھے رہے چنانچہ رسمی تعلیم سے محروم رہے۔ بچپن سے ہی اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑا۔ مگر پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔ چھوٹے موٹے کام کئے، مزدوری کی لیکن کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا۔ بارہا پیٹ کا جہنم بھرنے کو کچھ نہ ہوتا لیکن خوددار طبیعت اپنا بھرم نہ کھو سکی۔

روزی کی خاطر گجرات سے راولپنڈی منتقل ہوگئے۔ یہ 1960ء کا دور تھا کچھ پیسے جمع کر کے ایک پلاٹ خریدا۔ پھر اس کو نفع پر بیچا اور یوں کاروبار کا آغاز کیا۔ نیت نیک تھی، ارادے سچے اور جذبے جوان۔ اللہ تعالیٰ نے برکت ڈالی کاروبار بڑھنا شروع ہوگیا۔ 1965ء میں شادی کی۔ پھر

کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے وہ اپنے بچوں پہ اپنا کنٹرول قائم رکھنے میں کامیاب رہے اور اپنے بچوں کے آئیڈیل بنے۔ خود بے تحاشا تکلیفیں اٹھائیں لیکن بچوں کی نسلوں کو بھی زمانے کے سرد و گرم سے بچا گئے۔

آہ! میرے عظیم والد، وہ عظیم شخص تھے جن کے بارے میں، میں کہہ سکتی ہوں کہ انہوں نے پانچ بیٹیوں کو پالا اور یقیناً جنت کے مستحق ہیں۔ سات بہوؤں کو بھی بیٹیوں کا درجہ دیا کبھی اپنا ذاتی کام نہ لیا۔ بیٹی سے محبت تو ہر کوئی کر لیتا ہے لیکن ہمارے معاشرے کے برعکس وہ ہماری والدہ محترمہ کے بھی ایسے شوہر ثابت ہوئے جو کم ہی دیکھنے میں ملتا ہے۔ کبھی کھانے یا لباس کے لئے تنگ نہیں کیا۔ انتہائی خدا ترس تھے۔ گاؤں میں مساجد بنوائیں۔ رات کو چراغ کے انتظام کئے۔ سڑکیں بنوائیں۔ بچوں اور بچیوں کو ختم قرآن پر کچھ رقم دیتے تھے اور اچھا سبق سنانے والی بچیوں کو کریم کلر کی پھولدار چادر دیتے تھے۔ جب انکی وفات ہوئی تو مجھے ایک خاتون ملیں جنہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے پاس وہ چادر ابھی بھی موجود ہے۔

راولپنڈی میں بھی مسجد بنوائی، جو اصغر مال سکیم میں اللہ والی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اسلام آباد میں بھی جہاں

اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نواز دیا۔ اب ماشاء اللہ کاروبار کافی بڑھ چکا تھا۔ اپنے خاندان کو بھی گاؤں سے راولپنڈی لے آئے اور مستقل سکونت اختیار کی۔ خود والد کا پیار نہ ملا اس لئے اولاد کو بے پناہ محبت دی۔ اللہ سے مانگتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی کبھی مایوس نہ لوٹایا۔ اب معاشی حالات نہایت اچھے ہوگئے گھر اپنا تھا۔

دولت آئی تو گاؤں میں موجود والدہ کو کبھی نہ بھولے۔ والدہ کو حج کروایا پھر خود حج کیا۔ والدہ کی دعاؤں (جو ہمیشہ کہتی تھیں خدا تجھے عرشوں کا رنگ لائے۔ زندگی کی ہر خوشی دے) سے اسلام آباد میں نہایت عمدہ گھر تعمیر کیا اور ایک لوہے کی مل بھی بنا ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ساتھ حج کی توفیق بھی کئی بار بخشی اور یوں سات حج کئے کئی بار عمرے بھی کئے۔

مجھے جو چیز سب سے ضروری بیان کرنی تھی وہ یہ کہ معاشی ناہمواریوں کے باعث مزاج میں جو کھردراپن آجاتا ہے یا رویہ ابنارمل ہو جاتا ہے ان کے اندر ایسا کچھ نہ تھا۔ انتہائی شگفتہ مزاج تھے اور اپنے بچوں کی خوشیوں میں بھرپور شریک ہوتے تھے۔ ماشاء اللہ، اللہ تعالیٰ نے بارہ بچوں سے نوازا۔ لیکن انکی خوشیوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ زمانے کے ... بھی چلتے اور بچوں کو بگڑنے بھی نہ دیا۔ ... بچوں کو ... پہ چلایا۔ ہر چند کہ بچوں نے بھرپور شرارتیں کیں ...

رہائش رکھی وہاں مساجد بنوائیں۔ جو کہ الحمد اللہ آج بھی آباد ہیں۔ ہزاروں خاندانوں کی مالی سرپرستی کرتے تھے لیکن پوشیدہ طور پر۔ کوئی تنظیم نہ بنائی۔ 29 اکتوبر 2009ء کو شب جمعہ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ لیکن ہزاروں دلوں میں آباد ہیں۔ آئی ٹین میں موجود جس قبرستان میں دفن ہیں اس کی گھاس کٹوایا کرتے تھے اور جب بیمار ہوئے تو پتہ چلا کہ چار ماہ سے اس قبرستان کی گھاس نہیں کٹی۔ ہزاروں تعلیم یافتہ لوگوں سے زیادہ پڑھے لکھے تھے۔ اپنی اولاد کو ایسے پالا کہ انکی وفات کے وقت تمام بچے اپنے پاؤں پہ کھڑے تھے۔ ہمیشہ یہ کہہ کر دلاسا دیتے کہ خدا نے تم لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اسی سے مانگو۔ کبھی خود کو عظیم ثابت کرنے کی کوشش نہ کی اور دولت آنے کے بعد بھی تکبر نہ کیا۔ بلکہ زمین کو ہی اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ سادگی اور کفایت شعاری سے ہمیں اتنا دے گئے کہ ہم کئی سال بھی گزار دیں تو ختم نہ ہوں۔ اصولوں کے پکے تھے۔ مکان بنوا کر بیچتے تھے لیکن کبھی اپنے کام میں دغا نہ کیا۔ کبھی حرام نہیں کھایا اور اتنی ہمت والے تھے کہ کہیں بھی غلط کام ہوتا دیکھیں تو اپنے بازو اور زبان سے منع کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ گویا ایمان کے اعلیٰ درجوں پر فائز تھے۔

وہ اقبال کے شاہین ... اور اپنے زور بازو ... یقین رکھتے ... زندگی میں کبھی ... غلط ...

التجاء

میرے والد ہی وہ ہستی ہیں
جس سے میرے گھر کی بستی بستی ہے
اک گناہ گار کی ایک سیاہ کار کی
تجھ سے التجاء ہے تیری بندی کی
میرے والد کا سایہ رکھنا میرے سر پہ ہردم
جب تک یہ سانسیں ہیں جب تک ہے دم میں دم
مجھے بنانا نہ کبھی ان کا نافرمان تُو
ان کی نظروں میں عزت میری بڑھانا تُو

حب علی۔ جنڈانوالہ

دودھ پینے کی دعا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ

ترجمہ:

اے اللہ! ہمارے لئے اس میں برکت دے اور اس سے زیادہ دے۔

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عبرانی نام فارقلیط کا مطلب کیا ہے؟
2۔ حلیمہ سعدیہ کے شوہر کا نام کیا تھا؟
3۔ صلاح الدین ایوبی کا انتقال کب ہوا؟
4۔ بحری بیڑے کے بانی کون تھے؟
5۔ کس سیارے پر دن اور رات برابر ہوتے ہیں؟

اچھی کتابوں کا انتخاب بچوں اور والدین کیلئے ایک مسئلہ ہوتا ہے ہم آپ کی مشکل آسان کئے دیتے ہیں۔ ہم ہر ماہ آپ کے لئے بہترین کتابوں کا انتخاب پیش کریں گے۔

پھول کتاب گھر

خود پڑھیے دوسروں کو تحفہ دیجیے

تبصرے کے لئے دو جلدوں کا آنا ضروری ہے

مدثر مرزا

نام کتاب: لاف

مصنف: میاں محمد سعید شاد

قیمت:-/500 روپے۔ ناشر: مقبول اکیڈمی چوک اُردو بازار لاہور فون37324164

لاف۔ والدین کو اُف تک مت کہو۔ اس مختصر مگر جامع بات میں حقوق والدین کا بخوبی احاطہ ہو جاتا ہے۔ مصنف نے موجودہ حالات میں نئی نسل کو والدین کی اہمیت، مقام و مرتبے، ان کے حقوق اور احترام سے آگاہ کرنے کے لئے یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ اس میں قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور دیگر حوالوں سے حقوق والدین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کئی سبق آموز واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ موجودہ معاشرتی حالات میں یہ کتاب شائع کر کے مصنف نے اہم فریضہ ادا کیا ہے۔ یہ کتاب ہر گھر اور لائبریری میں موجود ہونی چاہئے۔

☆☆☆

نام کتاب: حی علی الفلاح

مؤلفہ: آپا فرزانہ جبیں

قیمت:150 روپے۔ ناشر: فائن پبلی کیشنز، پہلی منزل، الحجاز پلازہ،20 ایونگ روڈ، نیلا گنبد لاہور۔

رمضان المبارک میں ہر مسلمان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اس ماہ مبارک کی فضیلتیں سمیٹے۔ اس ماہ مبارک میں کیا وظائف پڑھنے چاہئیں، کون سے نوافل کس طریقے سے ادا کرنے چاہئیں اور کس طرح اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہیے یہ [illegible] ب [illegible] رج ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ [illegible] دن [illegible] ہر مہینے [illegible] مشتمل پورے سال کے اوراد و وظائف اس کتاب میں شامل ہیں۔ وضو، نماز، نوافل کے طریقے، درود شریف کے فضائل غرض فیوض و برکات کے حصول کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اس کتاب میں درج نہ ہو۔ ہر گھر میں اس کتاب کا ہونا ضروری ہے۔

☆☆☆

نام کتاب: ایک عظیم استاد

مصنفہ: بشریٰ احمد

قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ: ڈاکٹر منور احمد،11 ریلوے روڈ لاہور

قاضی عطاء اللہ صاحب کی زندگی خدمت خلق اور فروغ علم میں گزری۔ انہوں نے پنجاب کے ایک نہایت پسماندہ گاؤں میں سکول کھولا جو ترقی کرتا ہوا غوثیہ اسلامیہ ڈگری کالج فرید آباد کے نام سے جانا جاتا ہے جہاں لوگ اپنے بچوں کو داخل کروانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ قاضی صاحب کی بیٹی بشریٰ احمد نے اپنے والد کو خراج تحسین پیش کرنے اور ان کی خدمات سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے کتاب ترتیب دی ہے۔ یہ کتاب دراصل قاضی صاحب کی سوانح حیات ہے اور ان ڈائریوں پر مشتمل ہے جو قاضی صاحب لکھتے رہے ہیں۔ وہ غریبوں کے ہمدرد اور ان کی دلجوئی کرنے والے تھے۔ انہوں نے مثالی زندگی گزاری۔ یہ کتاب مرتب کر کے ان کی صاحبزادی نے ان کے شاگردوں کے لئے ہی نہیں عام لوگوں کے لئے بھی گراں قدر کام کیا ہے۔

☆☆☆

نام کتاب: پرچھائیاں

مصنف: احمد حماد

قیمت:-/300۔ ناشر: رائٹرز۔ اے زی بک سنٹر۔ شاہ کمال روڈ، راواں رحمٰن پورہ لاہور فون: 0300-4972079

احمد حماد پیشے کے اعتبار سے صحافی اور کالم نگار ہیں۔ ان کی شاعری کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ مختلف اداروں میں [illegible] جاتے بھی ہیں۔ زیر نظر کتاب میں انہوں نے ان واقعات [illegible] نظریات [illegible] ادب [illegible] اردو [illegible] جامعہ [illegible] ہے [illegible] ان کی [illegible] دلچسپی کا باعث [illegible] حافظ میں

انہوں نے اپنی رائے یا جذبات کا اظہار کیا اور کہیں کئی صفحات پر مختلف موضوعات پر ان کی آراء اور تجزیے نے کتاب کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ نوجوانوں کو چاہئے کہ دوسروں کے افکار و نظریات کا مطالعہ ضرور کریں لیکن احمد حماد کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اندر ان کو پرکھنے اور تجزیے کی صلاحیت پیدا کر کے خود اپنی رائے قائم کرنا بھی سیکھیں۔

☆☆☆

نام کتاب: ترا درد ہے مری جستجو
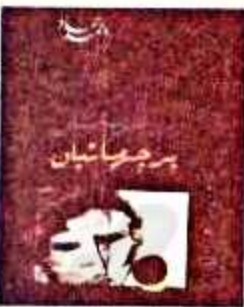
شاعرہ: رضوانہ سحر ہاشمی

قیمت:150 روپے۔ ناشر: خزینہ علم و ادب۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون37314169

رضوانہ سحر ہاشمی کا تعلق علمی و ادبی گھرانے سے ہے۔ ان کے والد نقش ہاشمی اہم ادبی شخصیت تھے اور اپنے گھر یا قاعدگی سے مشاعرے کرواتے تھے۔ اس ماحول کا نتیجہ تھا کہ رضوانہ ہاشمی نے چھٹی جماعت سے ہی شاعری شروع کر دی۔ ملک کے تقریباً تمام بڑے شاعروں کے ساتھ انہوں نے مشاعروں میں پڑھا اور داد سمیٹی۔ اخبارات میں بچوں، نوجوانوں اور خواتین کے صفحات کے علاوہ کئی اخبارات و رسائل میں ان کی نگارشات شائع ہوتی رہیں۔ وہ کالج کی بزم ادب کی سیکرٹری بھی رہیں اور کالج کے لیے کئی انعامات اور ٹرافیاں جیت کر لائیں، ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ''دھوپ کا آنچل'' اور دوسرا ''ترا درد ہے مری جستجو'' شائع ہوا۔ جن کو خاصی پذیرائی ملی۔ زیر نظر مجموعے میں غزلوں کے علاوہ [illegible] ہیں۔ ان کا ایک شعر دیکھئے۔

[illegible] نہ پھر [illegible] ھی کوئی حق کی صدا اُٹھے
[illegible] ہوگیا [illegible] یہاں نیلام آج پھر

پھول قطعہ کاریاں

والد محترم

اُن کی شفقت کی برسات یونہی رہے
بن کے سَر پہ محبت کا سایا رہیں
بیٹیاں اور بیٹے کریں یہ دعا
سب کے ابو، سلامت خدایا رہیں

ظفر علی راجا

ماہنامہ "پھول" نے بچوں کے رسائل میں نئی روایات قائم کرتے ہوئے ہر ماہ قطعہ کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ معروف شاعر دانشور اور وکیل ظفر علی راجا ہر ماہ قطعہ کاریاں کریں گے۔ (مدیر)

باپ سراپا شفقت

مومنہ ہاشمی

باپ کی اپنی اولاد کے لیے محبت ایک فطری عمل ہے۔ باپ جس سے دنیا کی ساری رونقیں اور بہاریں ہیں۔ باپ جو بچے کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتا

عدنان ہاشمی

ہے، باپ جو اپنی اولاد خاص کر بیٹی کو معاشرے کی بُری نظروں سے بچا کر اُسے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ باپ ہی سے انسان کی شناخت ہوتی ہے، باپ جس کی محبت میں دنیا کے سارے پھولوں کی خوشبو اور سارے موسموں کے رنگ ہیں۔ باپ ہی وہ ایک عظیم ہستی ہے جو ہر موسم میں اُس کی تختی برداشت کرتے ہوئے اپنی اولاد کے لئے روزی روٹی کی جنگ برداشت کرتے ہوئے تھکا ہارا گھر

مومنہ ہاشمی

آتا ہے تو اپنے بچوں کے مسکراتے چہروں کو دیکھ کر اپنی ساری تھکاوٹ اور دن بھر کی اذیت بھول جاتا ہے اور اُس کے چہرے پر خوشی کے رنگ بکھر جاتے ہیں۔ باپ ہی وہ ہستی ہے جو اپنی بہت ساری ضروریات کا گلا گھونٹ کر اپنے بچوں کی خواہشات کو پورا کرتا ہے۔ باپ کی محبت سے انکار ممکن نہیں، باپ جس کی رضا کو اللہ کی رضا اور جس کی ناراضگی کو اللہ کی ناراضگی کہا گیا ہے۔ ماں جو اولاد اور باپ کے درمیان ایک پُل کی حیثیت رکھتی ہے وہ اپنا مقام بھولتی جا رہی ہے اور آج کل ہمارے معاشرے میں ایک نہایت ہی مہلک رُجحان جنم لے رہا ہے جو ہمارے معاشرے کی رگ رگ میں ایک سرطان کی طرح سرایت کرتا چلا جا رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آج کل کی [illegible] نے باپ کے وجود کو ایک [illegible] اور ایک ڈر کی طرح بچ[illegible] ہو [illegible] کر دیا ہے کہ ہمارا [illegible] آ [illegible] گا تو [illegible] کا

وہ کر دے گا۔ شکایت لگا دوں گی انسان بن جاؤ۔ اس طرح بچے باپ سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح دونوں میں خلاء (Communication gape) جنم لیتا ہے جو بچے کے اندر خود اعتمادی کے عنصر کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ بچہ صحیح طرح اپنے آپ کو بیان ہی نہیں کر پاتا اور اس کی عملی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔

آپ خود سوچیں جب ان معصوم ذہنوں کے اندر اتنی زیادہ دہشت وہ بھی اُس ہستی کے لیے جو اُن کے لیے دن رات دوڑ دھوپ میں لگی رہتی ہے کس قدر نقصان دہ ہو گی۔ نہ صرف یہ پھول جلد مرجھا جائیں گے بلکہ اُن کے اندر وہ فطری عزت و احترام بھی ختم ہو جائے گا جو ایک باپ کا حق ہے۔ بچے اپنے والد کی عزت تو کریں گے مگر دل سے نہیں ڈر سے۔ اللہ تعالیٰ ان سایہ دار درختوں کو تا دیر ہمارے سروں پر قائم [illegible] رکھے، آمین۔

ابا جی مجھے آپ سے بہت پیار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر [illegible] میں کامیابی عطا کرے۔ آمین۔

باپ کا مقام

ثمرانیس

والدین کی اہمیت سے روشنائی حاصل کرنے کے لیے ہمارے لیے قرآن مجید سے بہتر کوئی معلم نہیں ہے۔ سیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے اردگرد کے ماحول، حالات و واقعات اور شخصیات کا عملی مشاہدہ قرآن کی تعلیم کے مطابق کریں۔

ہمارے معاشرے میں روزِ اول سے والدین میں سب سے زیادہ ترجیح "ماں" کے خوبصورت اور مضبوط لافانی رشتے کو دی جاتی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ مگر ہم میں بہت سے ناقص العقل لوگ یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کے اس جنت کا دروازہ کون ہے؟

ارشادِ نبوی ہے کہ جنت کا دروازہ تمہارا باپ ہے۔

اگر بچوں سے پوچھا جائے تو بیشتر بچے اپنے ہی باپ کو اے۔ٹی۔ایم مشین کے طور پر جانتے ہیں۔ کئی بچے دوستوں میں اپنے ہی والد کی برائی کرتے ہیں۔ زندگی کی بھاگ دوڑ میں والدین کی کم عقلی اور کم تعلیم یافتگی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آج کل کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تو غصے میں والدین کو گالی گلوچ کرتے بھی دیکھا جاتا ہے کیونکہ انکے والدین اپنے والدین کی عزت سے غافل ہیں۔ باعزت ہستیوں کو ایسے پکارنا اور انکے ساتھ اسطرح کا منفی رویہ اختیار کرنا، سراسر ان کی تذلیل ہے جس کی اجازت نہ تو ہمارا مذہب دیتا ہے اور نہ ہی ہمارا معاشرہ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک بچہ اور ایک آدمی سفر کر رہے تھے اور بچہ بار بار آدمی کو مخاطب کرنے کے لیے اسکا نام پکارتا تھا اور بلند آواز میں بات کرتا تھا۔ اس عمل سے آدمی کے چہرے پر اذیت سی ابھرتی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بچے کو بلایا اور پوچھا: "یہ آدمی تمہارا کیا لگتا ہے؟" بچے نے بدستور بلند آواز سے کہا: "یہ میرا باپ ہے۔"

حضرت ابوہریرہؓ نے ارشاد فرمایا کہ باپ کو کبھی اسکے نام سے مت پکارو۔ اور نہ ہی اسکے آگے چلو اور نہ اسکے آگے بیٹھو بلکہ اس سے بلند آواز میں بات کرنے سے بھی اجتناب کرو۔

سرمایہ کاری کے نظام نے مشرقی معاشرے اور اسلامی ریاستوں کو ایک نئے منصوبے [illegible] متعارف کروایا ہے۔ "اولڈ ہوم"! کیا ہماری تہذیب [illegible]، اخلاقیات، اور معاشرتی نظام اس خیال کو پسند کر[illegible] جیسے [illegible] اولاد پر ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھتے [illegible] سب [illegible] اپنے والدین کی ذمہ داریوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ان اداروں میں بھیج کرتے ہیں۔

باپ اولاد کو ہاتھ پکڑ کر چلنا سیکھاتا ہے۔ اسکی بدولت ہی اولاد میں اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے اور باپ ہی اولاد کی ادنٰی و اعلٰی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دن اور رات محنت کرتا ہے۔ ایسے انسان کے احسانات کا بدلہ ادا کرنے کے لیے اولاد کو باپ کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جو شخص ساری زندگی اولاد کو معاشرے کی مشکلات سے بچانے کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ اولاد کے ننگے سروں پہ سائبان کی مانند ہے اولاد میں بھی اتنی محبت ہونی چاہیے کہ باپ سے اظہارِ محبت کر سکے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: "باپ کا تم پر کتنا حق ہے اس کے لیے پس تم جان لو کہ وہ باپ ہی ہے جس نے تمہاری پرورش کی۔ سخت محنت کی اور تم اسکی زندگی میں ایک درخت کی شاخ کی مانند ہو۔ اور یہ درخت تمہارا باپ ہے۔"

بحیثیت اولاد ہمیشہ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ دنیا میں اولاد کی پہچان انکے والد سے ہی ہوتی ہے۔ اولاد اپنے باپ سے بہت کچھ سیکھتی ہے اور یہی وجہ کہ اولاد جب سکول جاتی ہے تو اسکے استاد کو بھی باپ کا درجہ دیا گیا ہے کیونکہ ایک باپ ہی اپنی اولاد کو زندگی کے نشیب و فراز میں لڑنے کا حوصلہ دیتا ہے اور بہتر راستوں کو چننے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

اسی طرح بچوں کو مضبوط بنانے میں باپ کا ایک ریڑھ کی ہڈی کی سا کردار ہوتا ہے۔ خواہ بیٹی ہو یا بیٹا باپ ہمیشہ اپنے بچوں کی نصابی اور غیر نصابی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔ اولاد کی ذہنی و جسمانی نشوونما کے لیے دن رات محنت کرتا ہے اور ان کو وقت بھی دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور خواب دیکھتا ہے کہ اسکے بچوں کا ایک روشن مستقبل ہو، اور اسکے ہوتے ہوئے اسکی اولاد کو کوئی غم نہ آئے اور نہ ہی ان کی امیدیں ٹوٹیں۔

بحیثیت مسلمان ہمارے لیے اللہ عزوجل کی رضا بہت اہمیت کی حامل ہے اور حدیث مبارکہ ہے کہ خدا کی خوشی، باپ کی رضا میں ہے۔ جبکہ باپ کی ناراضگی سے خدا ناراض ہو جاتا ہے۔ باپ کی ڈانٹ بھی آپ کے لیے ایک سبق ہے اس کو سمجھیں۔ شاید سارا سال آپ نے اپنے والد کی محنت، جفاکشی، محبت اور قربانیوں کو نہ سوچا ہو مگر ایک دن انکے بارے میں ضرور سوچیں۔ اپنے والد کا شکریہ ادا کریں اور ان [illegible] محبت کا [illegible] کریں [illegible] خود [illegible] کریں کہ آئندہ [illegible] آپ اپنے [illegible] ناراض نہیں [illegible] بلکہ ان [illegible] اور [illegible] بہترین دوست [illegible]

والد کے ساتھ گزرے آخری پل

مرے مولا، مرے مالک
ذرا سا دل سنبھل جائے
میری آنکھیں ٹھہر جائیں
مرے ہاتھوں میں
وہ بوڑھی، لرزتی، کانپتی انگلی
کسی امید کو لیکر مجھے کچھ کہنے ہی کو تھی
میری آنکھوں میں ہر اک عکس ایسے رقص کرتا ہے
نیا جھولا، نیا جوتا، نئی گڑیا، نیا بستہ
میرا ہنسنا، میرا رونا، وہ ان سے روٹھ سا جانا
میرے بابا، میرے بابا
وہ کہہ کے پھر منا لینا
میرے ماتھے پہ وہ بوسہ
محبت سے بھرے بوسے کی نرماہٹ ابھی تھی نا
وہ انگلی تھام کے چلنا
وہ چلتے میں اٹک جانا
اور پھر لاڈ سے ان کے یوں شانے سے لگ جانا
وہ ہنسنا، کھلکھلانا، شوخیاں، ضد، لاڈ وہ سارے
اسی آغوش میں سر رکھ کے اپنے اشک دے دینا
اور اپنے آپ کو پھر کھیل میں
مصروف کر لینا
وہ بھائی سے کبھی جھگڑا
وہ اماں کی کبھی سرزنش
وہ آپی کی کبھی خفگی
اور بابا کی محبت میں
کبھی کچھ بھول سا جانا
سبھی منظر نظر میں تھے
یونہی چلتے گئے اور پھر
اچانک منظروں سے
لوٹ پائی تو یہی دیکھا
اک منظر [illegible]
"مسافر جا چکا کب کا"

سیدہ ہما شاہ

چوہدری اسد اللہ خان

جولائی کے اہم واقعات

یکم جولائی 1962ء: BRUNDI کا یوم آزادی۔

2 جولائی 2013ء: دُنیا بھر میں "خلائی مخلوق کا دن منایا گیا"۔

3 جولائی 1988ء: ترکی کے 1510 میٹر طویل پُل "فاتح سلطان محمد پُل" کی تعمیر مکمل ہوئی۔

3 جولائی 2013ء: پاکستان کے وزیر اعظم میاں نواز شریف (تیسری بار وزیر اعظم بننے کے بعد) سب سے پہلے سیاسی اور معاشی مقاصد کے لئے چین کے 5 روزہ دورے پر گئے۔

4 جولائی 1776ء: امریکہ نے برطانیہ کی غلامی سے آزادی حاصل کی۔

4 جولائی 1947ء: برطانوی پارلیمنٹ میں تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان کیا گیا۔

(جبکہ برطانوی وائسرائے نے 3 جون کو آل انڈیا ریڈیو پر اعلان کیا تھا۔)

5 جولائی 1975ء: CapeVerde کا یوم آزادی۔

6 جولائی 1935ء: 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بے مثال قومی ہیرو ایم ایم عالم کا یوم ولادت (مائیں بیٹے جنتی ہیں ایسے بہادر خال خال)۔

6 جولائی 1776ء: امریکہ کے سب سے پہلے چھپنے والے اخبار "پنسلوانیا ایوننگ پوسٹ" کی اشاعت ہوئی۔

7 جولائی 2007ء: لندن میں پاکستانی سابق وزیر اعظم میاں نواز شریف کی زیر صدارت آل پارٹیز کانفرنس ہوئی جس میں مرحومہ محترمہ بے نظیر بھٹو بھی شریک ہوئیں۔

8 جولائی 1947ء: قائد اعظم کے رفیق صدیق [illegible] محمود علی (تاحیات وزیر پاکستان) کی انتھک کوششوں کے باعث سلہٹ کے عوام نے پاکستان کے حق میں [illegible]۔

9 جولائی 1967ء: 711ء دریائے برباط [illegible] مسلمان بہادر جرنیل طارق بن زیاد اور سپین کے عیسائی بادشاہ راڈاک میں خونریز جنگ میں عظیم فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔

10 جولائی 1967ء: مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کو بھائی (قائد اعظمؒ) کے مزار کے احاطہ کراچی (پاکستان) میں دفن کر دیا گیا۔

10 جولائی 1800ء: فورٹ ولیم کالج قائم ہوا۔

11 جولائی 1946ء: حیدر آباد دکن میں قائد اعظمؒ نے تاریخی خطاب میں واضح کیا کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری رہنما بنا کر ارشاد خداوندی کو فراموش نہ کریں تو ہمیں دُنیا کی کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی۔

12 جولائی 2013ء: اقوام متحدہ نے پاکستانی نامور ملالہ کی 16 ویں سالگرہ کو "ملالہ ڈے" کے طور پر منایا۔

13 جولائی 1931ء: مہاراجہ ہری سنگھ والئی کشمیر کی ڈوگرہ فوج نے نہتے مسلمانوں کے احتجاجی جلوس پر فائرنگ کر دی۔

14 جولائی 1948ء: ڈاکٹروں کے مشورہ پر قائد اعظمؒ صحت افزا مقام زیارت، بلوچستان (پاکستان) روانہ ہو گئے۔

14 جولائی 1789ء: فرانس میں تاریخی انقلاب برپا ہو گیا۔

15 جولائی 1977ء: صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے مولانا مفتی محمود، نوابزادہ نصر اللہ خاں اور پروفیسر غفور احمد کو مری ہیڈ کوارٹر میں ملاقات کے لئے بلایا تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ یہ لوگ "مارشل لاء" کے نفاذ پر بہت خوش تھے۔

16 جولائی 1945ء: امریکہ نے سب سے پہلے ایٹمی دھماکے کئے۔

17 جولائی 1919ء: فن لینڈ Finland کا یوم آزادی۔

18 جولائی 1993ء: معین قریشی [illegible] پاکستان کے قائم مقام صدر [illegible]۔

19 جولائی 1947ء: آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس میں [illegible] سردار محمد ابراہیم خان [illegible] متفقہ قرارداد پاس ہوئی۔

20 جولائی 1969ء: چاند کی سطح پر انسانی قدم لگ گئے جب امریکہ کے تین خلابازوں نے سطح چاند پر اتر کر دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

21 جولائی 2013ء: بلجیم کے 79 سالہ بادشاہ البرٹ دوم اپنے بیٹے 53 سالہ فلپ کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گئے۔

22 جولائی 1944ء: پندرہ روزہ "نوائے وقت" روزنامہ بن گیا۔

23 جولائی 1927ء: برصغیر ہند میں ریگولر براڈ کاسٹنگ کا آغاز ہوا۔

24 جولائی 1992ء: CZECH AND SLOVAC کے وزرائے اعظم ملک کی پُرامن تقسیم پر قانون سازی کے لئے متفق ہو گئے۔

25 جولائی 2012ء: پرناب مکھر جی نے بھارت کے 13 ویں صدر کی حیثیت سے حلف اٹھا لیا۔

26 جولائی 1745ء: خواتین کا دنیا کا پہلا کرکٹ میچ برطانیہ کے شہر "سرے" میں کھیلا گیا۔

26 جولائی 1955ء: پاکستان کے سابق صدر آصف علی زرداری کا یوم پیدائش۔

27 جولائی 2012ء: لارنس روڈ لاہور (پاکستان) کا نام "شاہراہ مجید نظامی" رکھا گیا۔

27 جولائی 2013ء: اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یوم وصال (بروز ہفتہ 17 رمضان المبارک) دنیا بھر میں عقیدت و احترام سے منایا گیا۔

28 جولائی: عالمی یوم والدین۔

28 جولائی 2010ء: مرگلہ (پاکستان) کی پہاڑیوں میں ائیر بلیو طیارہ کے حادثہ میں 153 افراد لقمۂ اجل بن گئے۔

29 جولائی: شیروں کی حفاظت کا عالمی دن (World Tigers Day)۔

30 جولائی 1976ء: [illegible] سنڈیمن کا نام ژوب (بلوچستان) [illegible] دیا گیا۔

31 جولائی 1893ء: بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی سب سے چھوٹی ہمشیرہ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ کا یوم ولادت۔

کیا آپ کوئی علاج تجویز کریں گے؟

کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں؟

سارہ جاوید

ایمرجنسی وارڈ مردانہ سسکیوں کی آواز سے گونج رہا تھا۔ بے چینی اُسے مسلسل گھیرے ہوئے تھی۔ ڈاکٹروں کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہ ملنے پر وہ اور پریشان ہو گیا۔ اُسے لگا کہ دنیا کی ساری مصیبتیں آج یک دم اُس پر نازل ہو گئی ہیں۔ اُس پر ہر لمحہ پہاڑ کی مانند بھاری گزر رہا تھا۔ اُسے لگا اس کی ساری محنت رائیگاں چلی گئی ہے۔ اُسے اپنی جانب اندھیرے ہی اندھیرے بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ جو اپنے بچوں کو بڑا افسر بنے دیکھنا چاہتا تھا اس کے سارے خواب چکنا چور ہونے کو تھے۔

محمد فضل حسب معمول بازار میں گول گپوں کی ریڑھی لگائے اپنے بچوں کے مستقبل کے سنہری خواب دل میں سجائے گاہکوں کا منتظر تھا۔ اچانک اس کے موبائل فون کی گھنٹی بجی اور فون کان کو لگاتے ہی اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

''ابو آپ جلد از جلد سروسز ہسپتال پہنچیں۔ اسامہ کو اچانک پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ ابھی ابھی [illegible] سے اسے ہسپتال لے کر گئی ہیں۔ [illegible]''

اُس کے ذہن میں صبح ہونے [illegible] کے الفاظ گونجنے لگے۔ دراصل اسامہ کافی دن سے اُس سے ناراض تھا کیونکہ وہ اُس کی موٹر سائیکل لینے کی فرمائش پر کوئی مثبت ردعمل ظاہر نہ کر پایا تھا۔ وہ اسے پیار سے سمجھاتا رہا مگر آج صبح اس نے فیصلہ کن انداز میں قدرے سخت لہجے میں اُسے بتا دیا کہ وہ اپنی محدود آمدنی میں صرف اس کی ضرورتیں ہی پوری کر سکتا ہے بے جا فرمائشیں نہیں اور نہ ہی وہ اولاد کی محبت میں کوئی غلط قدم اٹھا سکتا ہے لہٰذا وہ اپنے دوستوں کی دیکھا دیکھی اُسے تنگ کرنے کی بجائے پڑھائی پر توجہ دے ورنہ وہ اُس سے مزید سختی سے پیش آئے گا۔ اُس کے اس لب و لہجے کی بنیاد پچھلے جمعہ کو سنا جانے والا خطبہ تھا جس میں امام صاحب نے بتایا تھا کہ قرآن مجید مال اور اولاد کو فتنہ یعنی آزمائش قرار دیتا ہے۔ اولاد کی محبت میں اتنا آگے نہ بڑھو کہ ان کی فرمائشیں پوری کرتے جائز و ناجائز کی تمیز تک کھو بیٹھو اور شیطان کے نرغے میں آ جاؤ۔

انہی سوچوں کی بازگشت میں وہ ہسپتال پہنچا۔ ایمرجنسی میں ڈاکٹر کی معاون اُسامہ کا معدہ واش کرتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ ''آجکل کی نوجوان نسل کچھ زیادہ ہی حساس ہے ذرا سی بات پر گولیاں کھانے پر اتر آتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ گولیاں بروقت میسر کیسے ہوتی ہیں۔''

بے ہوش بیٹے کے زار و قطار روتے باپ نے گولیوں کا لفظ سنا تو [illegible] بیوی سے پوچھا ''یہ کیا کہہ رہی ہے؟ اسامہ کی طبیعت کیسے [illegible]'' ''[illegible] بابا [illegible] میں اور [illegible] [illegible] کام سے [illegible] فرش پر عجیب طریقے سے آڑھا ترچھا پڑا تھا اور اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ پاس ہی چوہے مار گولیوں کی شیشی پڑی تھی جو مجھے نہیں پتہ یہ کہاں سے لایا تھا۔''

''اوہ تو یہ اس نے موٹر سائیکل سے انکار کیے جانے کی بنا پر جان بوجھ کر کیا ہے۔ اوہ خدایا! یہ مجھے پریشان کرنے کی بجائے میری مدد کرنے، میرے مسائل کو سمجھنے اور ہاتھ بٹانے کا کیوں نہیں سوچتا۔''

مگر اس وقت تو بیٹے کی یہ حالت اُس کے لیے سخت تشویش کا باعث تھی وہ بار بار ڈاکٹر سے پوچھتا۔

''یہ بچ جائے گا نا؟''

اتنے میں ایک باریش پروفیسر صاحب طلباء کے گروپ کے ساتھ وارڈ میں داخل ہوئے اور اپنے طلبہ کو معدہ واش ہونے کا طریقہ کار دکھانے کے لیے اسی بیڈ پر لے آئے۔ روتے ہوئے باپ کو بیٹے کی حالت خطرے سے باہر ہونے کا یقین دلا کر انہوں نے اُس کے خودکشی کرنے کی وجہ دریافت کی تو محمد فضل نے اپنا دل اُن کے سامنے کھول دیا۔

''میں ان کی خاطر دو دو کام کرتا ہوں صبح گھروں میں دودھ سپلائی کرتا ہوں اور دوپہر سے شام تک گول گپوں کی ریڑھی لگاتا ہوں۔ میری اپنی سائیکل ٹوٹی ہوئی ہے مگر میں نے کمیٹی ڈال کر اسے میٹرک کرنے پر نئی سائیکل لے کر دی اب اس کا مطالبہ موٹر سائیکل کا ہے جو میری اوقات سے بڑھ کر ہے۔''

پروفیسر صاحب کے جواب نے آس پاس موجود سب لوگوں کو حیران کر دیا۔ وہ بولے۔

''تم ایسا کرو اس کی شادی کر دو جب اس کے اپنے سارے بچے موٹر سائیکل مانگیں گے نا تو اسے پتہ چلے گا باپ بننا کیا ہوتا ہے۔ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے صاحبزادے کے۔ پیسے کمانے والی مشین سمجھ رکھا ہے باپ کو۔ بس اب اس کا یہی علاج ہے۔''

قارئین! آپ اس علاج سے کہاں تک اتفاق کرتے ہیں؟ پریشان حال باپ کے لیے کوئی اور علاج ہے آپ کے پاس؟؟

☆☆☆

میرے ابو جی

بیٹی کو محنتی، دیانتدار اور صابر باپ پر فخر ہے

رابعہ حسن

کچھ لوگوں کی زندگی جہدِ مسلسل کی داستان مسلسل ہوتی ہے۔ ایسے ہی افراد میں سے ایک میرے ابو جی بھی ہیں جنہوں نے ایک منزل کا تعین کیا اور پھر ہر طرح کے حالات سے امید کی ڈوری تھامے گزرتے چلے گئے اور منزل پر پہنچ کر ہی دم لیا۔ انہوں نے یکم جنوری 1954ء کو آزاد کشمیر کے ضلع مظفر آباد کے ایک چھوٹے سے گاؤں بھیڑی میں ایک سفید پوش مگر ایک انتہائی علمی اور ادبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ میرے دادا مولوی نوراللہ وقت کے ایک بہت بڑے عالم دین اور فارسی کے بہت بڑے اسکالر تھے۔ میرے دادا کی خواہش تھی کہ اُن کی اولاد مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی حاصل کرے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے دوسرے بچوں کی طرح میرے ابو جی کو بھی سکول داخل کرا دیا۔

یہ وہ وقت تھا جب کشمیر کے دور دراز دیہاتوں میں تعلیم کا اتنا رواج نہیں تھا۔ خوشحال گھرانوں کے لوگوں میں بھی بچوں کو تعلیم دلانے کو اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ مگر چونکہ ابو جی کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا جو تبلیغ کے مقصد کیلئے دہلی سے کشمیر آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے جس دن ابو جی نے مڈل کا امتحان پاس کیا دادا ابو نے انہیں اپنے پاس بلایا۔

''دیکھو حسن...... میں نے تمہیں یہاں تک پڑھا دیا، اب آگے تم نے جو کچھ کرنا ہے اپنی مرضی سے کرنا ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم پڑھ لکھ کر نام کماؤ مگر میرے پاس اتنے وسائل نہیں، اس لیے جو کچھ کرنا ہے تمہیں اپنے زورِ بازو پر کرنا ہے۔''

اُس زمانے میں وہ چھوٹا سا گاؤں ہائی سکول سے محروم تھا۔ اس لئے محنت کرنے والوں اور علم کی لگن رکھنے والوں کے لئے امیدوں کا واحد مرکز کراچی تھا۔ ابو جی نے دادا ابو کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ وہ اپنی تعلیم کے سلسلے کو جاری رکھنے کیلئے کراچی کا سفر اختیار کریں گے۔ اب مسئلہ تھا کرائے کا، جس کو دادا ابو نے اپنے بیلوں میں سے ایک بیل پچاس روپوں میں بیچ کر حل کر دیا۔

یوں ابو جی نے 25 مارچ 1969ء کو کراچی کے لئے رختِ سفر باندھا۔ اب کراچی پہنچ کر مسئلہ حصول روزگار کا تھا۔ تلاش بسیار کے بعد ''ایڈورڈ اینڈ رابر[illegible]ن'' میں 80 روپے ماہوار پر انہیں نوکری مل گئی چونکہ ابو جی کے کراچی آنے کا بنیادی مقصد حصول علم [illegible] ابو [illegible] نے

جولائی 1969ء میں ناظم آباد کے ایک نائٹ سکول مسلم پاپولر سیکنڈری سکول میں کامرس کے مضامین رکھ کر جماعت نہم میں داخلہ لے لیا۔ دن کو نوکری کرتے شام ساڑھے چھ سے دس بجے تک سکول جاتے اور پھر چھٹی کے بعد رات گئے تک مختلف پارکوں میں بیٹھ کر مطالعے میں مصروف رہتے۔ اپنی ذہانت اور محنتی طبیعت کے باعث وہ جلد ہی اپنے اساتذہ کی آنکھوں کا تارہ بن گئے۔ اُن کے اساتذہ میں سے انعام صاحب اُن کے لئے خصوصی شفقت اور محبت رکھتے تھے۔ اس دوران کئی بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جن سے انہیں دنیا کی مکاری کا اندازہ ہوا۔ ایک مرتبہ دو افراد دھوکے سے اُن کی پوری تنخواہ لے کر رفو چکر ہو گئے۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد ابو جی کو اسی فرم سے فارغ ہونے کے بعد تین سو روپے ملے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میٹرک کے امتحان قریب تھے اور اگلے دن امتحانی فیس جمع کرانے کی آخری تاریخ تھی۔ مگر جب وہ بس سے اُترے تو جیب کترا اُن کی جیب سے رقم صاف کر چکا تھا۔ یہ وقت ابو جی نے بڑی پریشانی میں گزارا کیونکہ امتحانی فیس کی تاریخ نکل جاتی تو اُن کی ساری محنت اکارت جاتی، مگر ایک عزیز نے کسی طرح قرض لے کر ابو جی کو فیس کی رقم مہیا کی۔ اس واقعے کے بعد چونکہ روزگار بھی نہیں تھا اور کوئی جان پہچان بھی نہیں تھی اس لیے ابو جی کو فاقے بھی کرنے پڑے۔

ستمبر 1971ء میں ابو جی نے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کر کے پریمیئر کالج آف کامرس ناظم آباد میں آئی کام میں داخلہ لے لیا۔ یہ کالج سید علی عسکری زیدی کی زیرِ سرپرستی مشنری جذبے کے تحت چلایا جا رہا تھا جس میں میٹرک میں فرسٹ ڈویژن لینے والے طلبا کی سال اوّل کی فیس معاف کر دی جاتی تھی۔ اس دوران ابو جی کا معمول وہی رہا جو پہلے تھا یعنی دن کو کام، شام سے دس بجے تک کالج اور رات کو پارک میں مطالعہ۔ کام کے بوجھ اور مناسب وقت نہ دینے کی وجہ سے انہیں بی کام ادھورا چھوڑنا پڑا۔ بعد [illegible] 197[illegible] میں [illegible] نے کراچی یونیورسٹی [illegible] کا امتحان [illegible]

پرسیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ اس دوران ابو جی کی ہم نشینی اُردو زبان ادب سے خصوصی شغف رکھنے والی شخصیات سے ہوئی۔ رام پور کی مشہور شخصیت نبی احمد خان صاحب، اخلاق احمد صاحب وغیرہ۔ اس ادبی سنگت کا اثر یہ ہوا کہ ابو جی نے اُردو ادب میں پرائیویٹ ایم اے کرنے کا ارادہ کیا اور یوں انہوں نے 1980ء میں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اُردو ادب میں یونیورسٹی میں تیسری پوزیشن لے کر اپنے اعلیٰ تعلیم کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر دیا۔

1982ء میں ابو جی کشمیر واپس آ گئے جہاں انہوں نے فروری 1982ء میں بطور سینئر ٹیچر اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ بعد ازاں وہ لیکچرر مقرر ہوئے اور انہوں نے چکار سے اپنے اس پیشہ ورانہ دور کا آغاز کیا جو 31 دسمبر 2013ء میں انٹر کالج بھیڑی پر ختم ہوا۔

میرے ابو جی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو ساری عمر اپنے مقصد کے حصول میں لگے رہتے ہیں اور اپنے اصولوں پر کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے۔ اصول پسندی کا یہی درس انہوں نے اپنی اولاد کو بھی دیا۔

ادب سے محبت کا اظہار اُن کا ادبی میگزین ''اخترِ سحر'' تھا جو چکار سے شائع ہوا کرتا تھا اور یہی محبت انہوں نے میرے اندر بھی منتقل کی۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگوں کے لئے میرے والد کی اس سوانح میں کوئی خاص بات نہ ہو مگر میرے لئے یہ بہت اہم ہے اور آج بھی جب میں بے روزگاری کے اس دور میں ناامید ہوتی ہوں تو اپنے والد کی زندگی پر ایک نظر مجھ پر امیدوں کے دروازے وا کر دیتی ہے۔

پروفیسر غلام [illegible]ن صابر کی بیٹی میرے لئے ہونا قابلِ فخر ہے [illegible] اللہ ابو [illegible] لمبی عمر دے۔ آمین

بیری کے درخت کی آپ بیتی

اس کو ایک باپ کی آپ بیتی ہی سمجھئے

سندس نصیر

اپنے اردگرد جمع لوگوں کا ہجوم دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ میری چھاؤں میں پلے بڑھے میرے مالک کے نواسے، نواسیاں بھی آبدیدہ تھیں۔ آج دن تو اچھا تھا لیکن غم کی اس خبر نے دل کو بے حد مجروح کر دیا تھا۔ آج مجھے کاٹا جانا تھا۔ یہ سوچ کر میں غمگین ہوا جا رہا تھا کہ پتہ نہیں میرے آنے والے دن کیسے اور کس حال میں گزریں گے۔ غم کی اس خبر کو سن کر میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں آپ سے اپنا حال دل بیان کروں۔

دو حرف تسلی کے جس نے بھی کہے ہم سے
تصویر دکھا ڈالی، افسانہ سنا ڈالا

کم و بیش چالیس سال پہلے میں نے اس رنگین دنیا میں آنکھ کھولی۔ میرے اردگرد زیادہ تو نہیں دو، چار ننھے منے میرے جتنے ہی درخت تھے۔ کیا ہی سہانے دن تھے۔ میں صبح سویرے بیدار ہوتا تو سب سے پہلے اپنے پتے، شاخیں اس عظیم اور واحد خدا کے آگے جھکاتا، جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ ایسے میں تسبیح و ثنا بیان کرتے کرتے دن کا آغاز ہو جاتا۔ سورج بھیا بھی آنکھیں ملتے ملتے اپنی روشنی سے زمین کو منور کرتے۔ کچھ ہی لمحوں میں میرے اردگرد کھیلنے کودنے والے بچوں کا ہجوم لگ جاتا۔ وقت گزرتا گیا اور مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ ایک دن میں پرندوں کا مسکن بن گیا۔ پرندے اپنے ننھے منے بچوں کو گھونسلوں میں چھوڑ کر خود رزق کی تلاش میں چلے جاتے۔ میرا مالک مجھ سے شدید محبت کرتا تھا اور میری دیکھ بھال کے دوران اپنا کھانا پینا بھی بھول جاتا تھا۔ درختوں کے بارے میں مرزا [illegible] نے کیا خوب کہا ہے۔

ان کو پتھر بھی جو مار[illegible] [illegible] دیتے ہیں
کیسے نبیوں کی طرح [illegible] [illegible] رشتے

روز و شب اس طرح خوشی خوشی گزر رہے تھے کہ ایک دن جب مجھے اس بات کا اندازہ ہوا کہ میں ایک بیری کا درخت ہوں جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ واقعہ میں ہوا ہے تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ جب مجھ پر پھل لگنا شروع ہو گیا تو جیسے میری قدر و قیمت میں اضافہ ہو گیا۔ میرا مالک مجھ سے پھل اتار کر گلی محلے کے بچوں میں بانٹ دیتا تو مجھے نہ صرف درد ہوتا بلکہ دکھ بھی ہوتا لیکن ایک دن ایک ساتھی درخت نے بتایا کہ "پتھر اور کنکران درختوں کو مارے جاتے ہیں جو کہ پھل دار ہوتے ہیں۔" میری چھاؤں گھنی نہ سہی لیکن مقدور بھر میں نے اپنی زندگی میں سائے بانٹنے کی سعی کی ہے
میری تو وہ مثال ایسے ہے جیسے کوئی درخت اوروں کو چھاؤں بانٹ کر خود دھوپ میں رہے۔

اب تو میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں۔ دن بھر بچے میری ٹھنڈی چھاؤں تلے مزے لیتے ہیں اور رات کو پرندے تھکے ہارے اپنے نونہال بچوں کیلئے رزق تلاش کر کے گھونسلوں میں آ جاتے ہیں۔ بس دن ہو یا رات ہر وقت میرے ہاں رونق ہی رونق ہوتی ہے۔ میرے مالک نے مجھے جس خلوص اور محبت سے پالا ہے میں بھی اسی طرح اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ اپنے حسین ماضی کو یاد کر کے آج بھی میری آنکھ نم ہو جاتی ہے۔

یاد ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

لیکن یہ لوگ جو مجھے آج کاٹنے جا رہے ہیں نہ جانے اس قدر بے حس کیوں ہو چکے ہیں۔ میرے چیخنے، چلانے کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ایسے میں میری حالت ایک ایسے شخص کی طرح ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ Waiting for death بس اب مجھے اس آرے کا انتظار ہے جو مجھے کاٹنے کے لئے استعمال کیا جائے گا اور میری چیخ و پکار کا کوئی جواب نہ دے گا۔

آنکھ اب خون رونے والی ہے
شام جیون کی ہونے والی ہے

☆☆☆

Digest.pk

پاکستان کی سیر

سلمیٰ اعوان

قسط نمبر 2

گرمیوں کی چھٹیوں میں اگر موقع ملے تو پاکستان کے مختلف تاریخی اور تفریحی مقامات کی سیر ضرور کریں۔ دیکھیں کہ آپ کا وطن پاکستان کتنا خوبصورت ہے

پیارا بلتستان اور شہزادی گل خاتون

"آپ لوگوں نے شمالی علاقہ جات کا نام تو شاید سنا ہوا ہے۔ اچھا آپ سیاچن کا ذکر تو سنتے ہی ہوں گے۔"
اکبر کی اس بات پر پارٹی میں موجود نعمان چونکا۔ اس نے تیزی سے کہا۔
"سیاچن گلیشیئر جہاں ہندوستان اور پاکستان کی لڑائی ہوتی رہی ہے۔ میرے چچا آج کل سیاچن پر ڈیوٹی دے رہے ہیں۔ وہ کپتان ہیں۔ ابھی چند دن ہوئے وہ وہاں گئے ہیں۔ پرسوں ان کا خط آیا ہے۔ وہ سکردو سے جیپ کے ذریعے سیاچن گئے تھے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ یہ بہت خوبصورت جگہ ہے۔"
"بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ اکبر نے نعمان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ سکردو بلتستان کا صدر مقام ہے۔"
نعمان پھر بول اٹھا۔
"میرے چچا نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ ہمارے لئے سیب اور خوبانیاں لائیں گے۔ سکردو کے سیب اور خوبانیاں بہت لذیذ ہوتی ہیں۔"
"آپ ٹھیک کہتے ہیں بیٹے۔"
اکبر کے بابا اور غضنفر کے ابو جانی نے محفل میں آ کر کہا۔
اکبر کے بابا نے مزید کہا۔
"پیارے بچو! سکردو بہت خوبصورت وادی ہے۔ اس کے چاروں طرف ہمالیہ اور قراقرم کے [illegible] ہیں۔ اونچے اونچے پہاڑ جن کی چوٹیوں پر [illegible] ہے۔ گرمیوں میں یہ پگھل کر دریائے سندھ [illegible]

دریائے سندھ پاکستان کا سب سے بڑا دریا بلتستان کے ہمسائے ملک تبت کی جھیل مانسرور سے نکل کر بلتستان کی وادیوں میں داخل ہوتا ہے۔ جب بھی آپ کو موقع ملے آپ سکردو ضرور آئیں۔" سب بچوں نے شوق اور دلچسپی سے یہ سب باتیں سنیں اور عہد کیا کہ وہ اپنے ملک کے ان خوبصورت حصوں کو ضرور دیکھیں گے۔
بچوں نے اپنے ایڈریس اکبر کو دیئے اور اکبر سے ایڈریس لیا۔ یہ طے پایا کہ وہ ایک دوسرے کو خط لکھیں گے۔ اکبر اپنی کلاس کے بچوں سے ان کا غائبانہ تعارف بھی کروائے گا۔ وہ سب لوگ بھی اپنے اپنے دوستوں سے اکبر اور اس کے ساتھیوں کا تعارف کروائیں گے۔ تصاویر کا بھی تبادلہ ہوگا۔
اب بچوں کے لئے دلچسپی کا ایک ایسا موضوع ہاتھ آ گیا تھا کہ وہ اس پر گھنٹوں باتیں کرتے نہ تھکتے تھے۔ چھٹیوں کا انہیں کس شدت سے انتظار تھا یہ کوئی ان سے پوچھتا۔ اکثر یوں ہوتا کہ کتابیں ان کے سامنے کھلی ہوتیں اور وہ سکردو پہنچے ہوئے ہوتے۔ امی جان نے اس بات کو محسوس کیا۔
ایک دن انہوں نے تینوں بچوں کو اپنے پاس بٹھایا اور دھیمے دھیمے انداز میں انہیں سمجھایا کہ پڑھنا محنت کرنا اور اچھے لائق انسان بننا [illegible]

سنوارنے کا کام آپ لوگوں کا ہے۔ کوئی سائنسدان بنے، کوئی انجینئر بنے، کوئی ماہر ارضیات بنے تاکہ اس زمین کے چھپے ہوئے خزانے باہر نکلیں۔ آپ کے کارناموں کا چرچا ہو۔ دوسرے ممالک میں اس کا نام گونجے۔
آپ لوگ مجھے بتائیں کہ اگر آپ محنت نہیں کریں گے تو یہ سب کیسے ممکن ہوگا؟۔
بچوں نے پھر معذرت کی۔ اپنی کوتاہی اور غفلت کی معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ ڈٹ کر پڑھیں گے اور امتیازی پوزیشن حاصل کریں گے اور واقعی بچوں نے جو کہا تھا سچ کر دکھایا۔ سعدیہ اور غضنفر نے کلاس میں پہلی پوزیشن اور ضیغم نے تیسری حاصل کی۔
اکبر کا خط اکثر آتا رہتا تھا۔ غضنفر اور سعدیہ بھی اسے لکھتے تھے۔ آخر چھٹیاں ہوئیں۔ بچوں کا شوق دیکھنے کے قابل تھا۔ کبھی وہ اپنی امی کے گلے میں بانہیں ڈالتے اور کبھی ابو جانی سے چمٹتے اور والہانہ انداز میں پوچھتے کہ ہم کس دن جائیں گے؟۔
ابو نے چھٹی کے لئے درخواست دی۔ امی تیاریوں میں مصروف ہوئیں۔ بچوں کے لئے گرم کپڑوں کی اتنی ضرورت تو نہ تھی۔ کیونکہ جون کے مہینے میں سکردو کا موسم خوشگوار ہوتا ہے۔ دوپہر گرم لیکن شام اور صبح خوشگوار ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی موٹے کپڑے اور ایک آدھ سویٹر کی ضرورت تھی۔ بچوں کا ساتھ تھا۔ ابو جانی چاہتے تھے کہ کم از کم سامان ساتھ ہوتا کہ سفر میں دقت نہ ہو۔
جس صبح انہیں ریل کار سے پنڈی کیلئے روانہ ہونا تھا اس رات تینوں بہن بھائی دیر تک جاگتے رہے۔ شوق کا اُجالا ان کی آنکھوں میں روشنی پھیلائے ہوئے تھا۔ وہ کتنے خوش تھے ان کا اظہار ان کی ایک ایک حرکت سے ہوتا تھا۔ ضیغم سونا نہیں چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ سو گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سوتا رہے اور گاڑی نکل جائے۔ غضنفر نے دوبار امی جان سے کہا آپ نے الارم لگا دیا ہے نا۔
انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ لوگ سو جائیں اب مجھے فکر ہے۔" اور جب صبح چار بجے امی جان نے انہیں آواز دی کہ بھئی اب اٹھو اور چلنے کی تیاری کرو تو ان کی ایک آواز پر ہی بچے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ وہ شفقت سے مسکرائیں۔ انہیں ان کی معصوم تمناؤں کا احساس ہوا۔ تمام دنوں میں وہ کئی بار آواز دیتیں۔ بچے دھت سوتے رہتے۔ پھر وہ انہیں جھنجھوڑ کر اٹھاتیں۔
بچوں نے غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ امی جان نے حکم دیا کہ [illegible] نماز پڑھ [illegible] فارغ ہو کر چائے پی۔ نانو کے کمرے میں گئے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے خیر [illegible] جانے اور عافیت سے لوٹنے کی دعا مانگی اور ان کی پیشانی [illegible] پیار کرتے ہوئے کہا۔
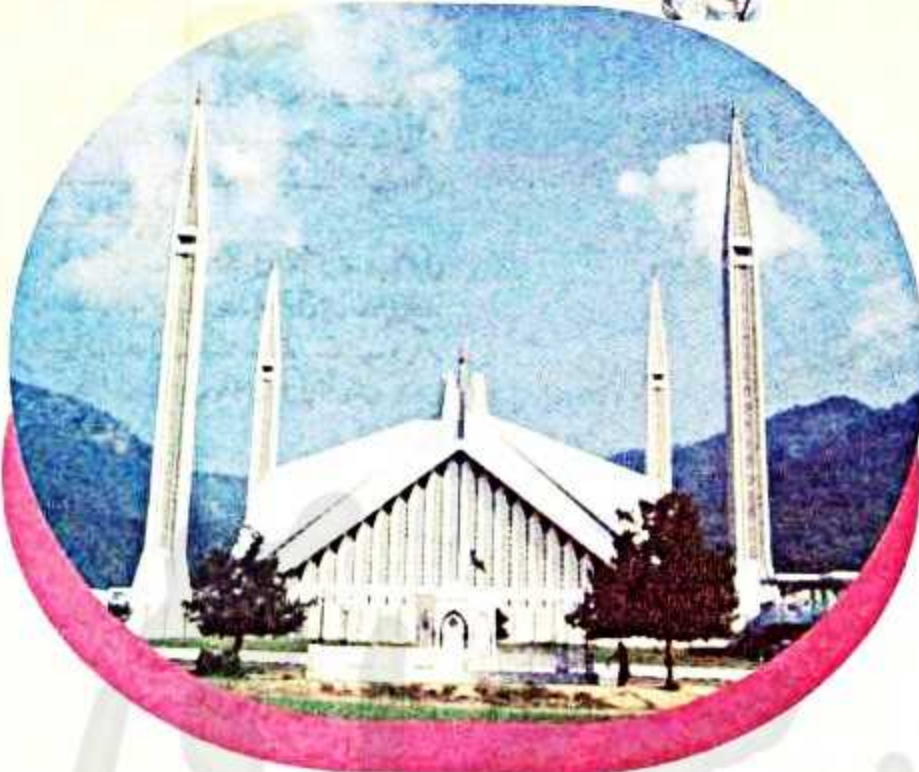
"جاؤ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں۔ ہاں سفر پر جانے کی دعا ضرور پڑھنا جب گاڑی میں بیٹھو تب بھی پڑھنا اور جب جہاز میں بیٹھو تب بھی پڑھنا"۔ بچوں نے خوشی خوشی دعا پڑھنے کی ہامی بھری۔

سٹیشن پہنچے ان کی نشستیں ریزرو تھیں۔ تینوں بچوں نے کھڑکی والی سیٹوں پر قبضہ کر لیا۔ اب تینوں بچوں نے کھڑکیوں سے سر باہر نکال لیے۔ سٹیشن پر کیسی گہما گہمی تھی۔ لوگوں کی آمد و رفت، گاڑیوں کا شور و غل، نان چنے، پکوڑوں والوں کی مختلف آوازیں، سٹیشن کی اپنی ایک دنیا تھی۔ ہنگامے سے بھری ہوئی دور ایک کتابوں کا سٹال نظر آیا۔ غضنفر گاڑی سے اتر کر بھاگا۔ بچوں کے دو رسالے خرید لایا۔ تبھی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ غضنفر نے کہا۔ بس اب گاڑی چلے گی۔ اور واقعی تھوڑی دیر بعد اس نے حرکت کی۔ دھیرے دھیرے تیز ہونے لگی۔ اسٹیشن پیچھے رہ گیا۔ یہ سفر ہنستے مسکراتے، کھاتے پیتے، باتیں کرتے، شرارتیں کرتے گاڑی میں بھاگتے دوڑتے اور مختلف سٹیشنوں کو دیکھتے گزر گیا تھا۔ ایک بجے راولپنڈی پہنچے، راولپنڈی میں ان کی پھوپھی رہتی تھیں۔ سیدھے ان کے گھر گئے۔

اگلے دن ابو جانی پی آئی اے کے دفتر گئے۔ جہاز کے لیے ٹکٹ لینے تھے۔ سکردو اور گلگت کے لیے بہت رش تھا۔ بہت کوشش کے بعد ٹکٹ ملے۔ یہ ٹکٹ سکردو کے لیے اس پرواز کے تھے جو صبح چھ بجے روانہ ہونا تھی۔ جب ابو جانی ٹکٹ لے کر گھر آئے تو بچوں نے انہیں دروازے میں ہی گھیر لیا۔ "بتایئے ٹکٹ مل گئے ہیں۔ مل گئے ہیں نا۔" بچوں کا اضطراب دیکھنے کے قابل تھا۔

"ہاں بھئی چھوڑو مجھے، بس اب صبح پانچ بجے ایئرپورٹ پہنچنا ہے" بچوں کا خوشی سے برا حال تھا۔ پاؤں کہیں رکھتے اور پڑتے کہیں تھے۔

اور جس وقت ابو جانی کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے ہنس کر کہا۔

"بھئی بچو یہ بھی دعا کرنا کہ موسم ٹھیک رہے۔ اگر موسم میں گڑبڑ ہو گئی تو بس پھر سمجھو لو کہ واپس آنا پڑے گا۔"

"وہ کیوں" چھوٹا ضیغم پریشان ہو گیا۔

"وہ اس لیے کہ سکردو کے راستے میں بہت اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ جہاز کو ان کے اوپر سے اڑنا پڑتا ہے۔ موسم کی خرابی کی صورت میں راستہ صاف نہیں ہوتا۔ پہاڑوں سے جہاز کے ٹکرانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے سلامتی کے لیے جہاز نہیں اُڑتے۔

شام کو آسمان ابر آلود ہو گیا۔ تینوں بچے پریشان ہو گئے۔ "اللہ" ضیغم بولا۔ اُس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف جوڑتے ہوئے اضطرابی لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"میرے اچھے اللہ تعالیٰ! آسمان کو صاف کر دے۔ دیکھو نا یہ ابر آلود رہا تو ہم سکردو نہیں پہنچ سکیں گے اور سکردو

نہیں پہنچوں گا تو وہ اچھی سی کہانی سننے کو نہیں ملے گی۔ جس کا اکبر بھیا نے وعدہ کیا ہے۔"

ابو کو ضیغم کی اس حرکت پر ہنسی آ گئی تھی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے تھپتھپائے۔

ارے بیٹا ان بادلوں سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ہاں بوئنگ بہت بلندی پر اڑتا ہے۔ موسم خراب بھی ہو تو اکثر و بیشتر اس کی فلائٹ چلی جاتی ہے۔ بس دعا یہ کرو کہ راستے کا موسم ٹھیک ہو۔"

اگلے دن پانچ بجے صبح وہ لوگ ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ اسلام آباد کا انٹرنیشنل ایئرپورٹ اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ انہوں نے اشتیاق اور دلچسپی سے یہ سب دیکھا، ویٹنگ روم سے وہ اندر آئے۔

پھر وہ ویٹنگ روم میں آ کر صوفوں پر بیٹھ گئے۔ سکردو کے لیے ان کی دوسری فلائٹ تھی۔ سعدیہ، غضنفر اور ضیغم تینوں تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد اٹھ کر ٹہلنے لگے۔ پہلی پرواز کے مسافر بس میں سوار ہونے لگے۔ جو دروازے کے عین سامنے آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ ضیغم بھی باہر کی جانب لپکا جب امی جان نے اسے آواز دی۔ خفیف سی ڈانٹ بھی پلائی کہ کم از کم ہمیں تو دیکھتے ہم ابھی بیٹھے ہیں۔

ضیغم دروازے کے شیشوں میں سے سامنے رن وے پر کھڑے جہاز کو دیکھ رہا تھا۔ سعدیہ اور غضنفر کی نگاہیں بھی اسی طرف تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں جہاز پرواز کر گیا۔ اب سکردو کے لیے دوسری پرواز کا اعلان ہوا۔ امی جان ابو جانی اٹھے۔ وہ تینوں بھی خوش خوش ان کے ساتھ چلنے لگے۔ ضیغم تقریباً بھاگ رہا تھا۔ امی ابو ... جان ... نے ... کچھ نہیں کہا۔

بس جہاز کے قریب جا کر رُک گئی۔ وہ سب اُترے۔ سیڑھیوں کے پاس یونیفارم میں دو نوجوان خوش آمدید کہنے کے لیے کھڑے تھے۔ تینوں بچوں کے لیے جہاز میں سوار ہونے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ بڑی پیاری سی شکل والی ایئر ہوسٹس دروازے میں کھڑی تھی۔ ضیغم اس کی طرف دیکھ کر ہنسا۔ وہ بھی مسکرائی۔ اس نے غضنفر اور سعدیہ کے رخساروں پر پیار سے ہاتھ رکھا۔ اندر کا منظر بہت خوبصورت تھا۔ نرم آرام دہ سیٹیں۔ درمیان میں راستہ۔

سب لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ دروازے بند ہو گئے۔ پانچ منٹ دس منٹ اور پھر پندرہ منٹ۔ سعدیہ غضنفر پریشان کہ یا اللہ یہ کھڑا کیوں ہے؟ چلتا کیوں نہیں؟

تبھی اعلان ہوا کہ سکردو کے لیے جو جہاز پہلے روانہ ہوا تھا۔ وہ واپس آ رہا ہے۔ راستے میں بہت دھند ہے۔ سخت کوشش کے باوجود جہاز کو آگے جانے کا راستہ نہیں ملا۔

تینوں بچوں نے ہونقوں کی طرح ابو جانی کی طرف دیکھا۔

ان کے چہروں پر ایک سوال تھا۔ اب کیا ہوگا۔ ہم سکردو نہیں جا سکیں گے۔

ابو جانی مسکرائے، گھبراتے کیوں ہو ان شاء اللہ کل سہی، ایسا اکثر ہو جاتا ہے۔ ان علاقوں میں جانے کا دارومدار تو موسم پر ہے۔ (جاری ہے)

☆☆☆

رانا محمد شاہد

والدین...... میں سے ماں کی عظمت واہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک باپ جو اپنے بچے کی تعلیم وتربیت کے لیے جن مشکلات ومصائب سے گزرتا ہے، وہ بھی کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں والدین کے بہت زیادہ حقوق ہیں کہ وہ اپنی اولاد کے لیے اپنی ذات کی نفی کر کے سب کچھ کرتے ہیں۔ ماں اگر گھر کے کام کرتی ہے تو باپ سارا دن گرمی کی تپش میں، جاڑوں

وہ اپنے باپ کو دریا میں پھینکنے کے لئے لے گیا تھا۔۔۔۔

”مجھے اپنا کھیس اوڑھا دیا“

کی سخت سردی میں یعنی موسموں کی شدتوں کی پروا کیے بغیر، گھر میں آرام کو پس پشت ڈال کر اپنی اولاد کی خاطر رزق کمانے کو زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ اولاد کی خوشی کو اپنی خوشی اور دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا ہے۔ پیغمبر اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی کے بارے میں فرمایا: ”فاطمہ میری ذات کا حصہ ہے اور میں اس کی ذات کا۔ اس کی خوشی میری خوشی ہے اور اس کا دکھ میرا دکھ ہے۔“

ایک باپ کا اپنی بیٹیوں کے ساتھ جو رشتہ ہے، وہ اس میں ایک خاص قسم کی تکمیل محسوس کرتا ہے۔ یہ بیٹیاں اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ اور اعتدال پیدا کرتی ہیں۔ اس میں اہم بات یہ بھی ہے کہ اگر آپ اپنی بیٹیوں کے ساتھ وضعدار اور مخلصانہ رویہ نہیں رکھتے تو آپ اپنے ساتھ مخلص نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت فاطمۃ الزہرہؓ جب بھی حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ محبت سے کھڑے ہو جاتے اور حضرت سیدہؓ کا ہاتھ پکڑ کر چومتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

جس طرح آقائے دو جہاں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد سے بے پناہ محبت وشفقت فرماتے تھے تو آپ ﷺ کے صحابہؓ بھی آپ کی خوبیوں کا پرتو بننے کی سعی میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی اور اپنے قول وفعل سے اظہار بھی فرماتے۔ بڑے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن الگ گھر میں رہتے تھے۔ لیکن ان کے گھر کا خرچ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ اسی طرح بڑی صاحبزادی حضرت اسمٰاؓ کی شادی حضرت زبیر بن العوامؓ سے ہوئی۔ وہ شروع میں بہت تنگدست تھے۔ گھر میں کوئی خادم یا خادمہ رکھنے کی استطاعت نہ تھی۔ اس لیے حضرت اسمٰاؓ کو بہت سا کام کرنا پڑتا۔ وہ آٹا گوندھتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، پانی بھرتی تھیں، ڈول سیتی تھیں اور کافی فاصلے سے کھجور کی گٹھلیاں لاتی تھیں، یہاں تک کہ گھوڑے کو چارہ بھی کھلاتی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان حالات کا علم ہوا تو ایک خادم کو بھیج دیا جو گھوڑے کو چارہ کھلاتا اور اس کی دیکھ بھال کرتا ۔۔۔ ہمارے تصورات وخیالات، احساسات وجذبات ۔۔۔ باپ

اہم حصہ ماں ہے۔ ماں، ماں، ماں اور پھر باپ۔ باپ کا خیال ایک خوف اور احترام کے ساتھ آتا ہے۔ شاید جو شخص ہماری کفالت کرتا ہے، وہ اندر سے بھی بہت مضبوط ہوگا اور اسے کسی لطیف جذبے واحساس ومحبت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ شاید یہ خیال بھی ہو کہ بظاہر مضبوط وتوانا سخت دل وسخت گیر شخص محض پیسہ کمانے کی مشین ہے، وہ جمع دو کرنے والا کیلکولیٹر ہے۔ عمر بھر محنت کی چکی میں پسنے والے، تکلیف ومشقت سے گزرنے والے شخص کو زندگی کے کسی مرحلے پر کسی خراج، اعزاز وانعام کی کوئی حاجت نہیں...... ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مضبوط خول چڑھائے ایک باپ اپنی اولاد کے لیے موم کا پتلا ہی ہوتا ہے۔ اسے بھی چاہے اور چاہے جانے کی خواہش ہوتی ہے۔ وہ اگر زبان سے کچھ نہیں کہتا یا کہتا نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے سرے سے کوئی حاجت ہی نہیں ہے۔ اپنے لخت جگر کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھنے والے اور اپنی پیاری سی بچی کی آنکھوں سے دو موتی چھلکتے دیکھ لے تو سارا رعب ودبدبہ اور جاہ وجلال جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ دنیا کا ہر باپ اپنی اولاد کے لیے ایسے ہی احساسات رکھتا ہے۔

ایک تن تنہا باپ اپنے دس بچوں کی بھی پرورش اس عمدگی سے کرتا ہے کہ ہر بچہ اپنی اپنی جگہ ایک کامیاب انسان کی صورت کھڑا نظر آتا ہے۔ مگر پھر جب حالات بدلتے ہیں اک روز یہی مضبوط چٹان حالات کے تھپیڑے کھاتے کھاتے ٹوٹنے چٹخنے لگتی ہے۔ عمر بھر اولاد کو نفع دینے والی کھیتی بنجر ہونے لگتی ہے تو نہ جانے کیوں ان دس بچوں پر ایک کمزور اور نحیف ونزار وجود بھاری پڑنے لگتا ہے۔ شاید اسی لیے مشہور ہے کہ

”ایک باپ دس بچوں کو باآسانی پال لیتا ہے۔ لیکن دس بچے مل کر ایک باپ کو نہیں۔“

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص اپنے معذور باپ اور بیوی بچوں کے ہمراہ ایک قصبے میں رہتا تھا۔ وہ اپنے معذور باپ کی ضروریات پوری کرنے سے عاجز آچکا تھا۔ ہر آنے والے دن اس کے صبر کا پیمانہ چھلکتا جا رہا تھا ۔۔۔ آخر ایک روز ۔۔۔ اس نے باپ کو کاندھوں پر اٹھایا اور ۔۔۔ کے ۔۔۔ پہنچ گیا۔ اس کا ارادہ تھا

باپ کو دریا میں پھینک کر قصہ پاک کر دے۔ اس نے ایسی جگہ ڈھونڈنی شروع کی، جہاں دریا کا پانی گہرا تھا۔ ایک جگہ اس نے باپ کو پھینکنے کا ارادہ کیا تو معذور اور بے بس باپ نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا مجھے یہاں مت پھینکو آگے جا کر کسی اور جگہ پھینکنا۔“ اس کا بیٹا بہت حیران ہوا کہ باپ خود اپنی موت کی جگہ متعین کر رہا ہے۔ اس نے پوچھا کیوں ابا، یہاں کیوں نہیں“۔ بوڑھے باپ نے لرزتی آواز سے جواب دیا۔

”کیونکہ یہاں پر میں نے اپنے باپ کو پھینکا تھا“۔ بیٹے کو اپنا بڑھاپا یاد آ گیا اور وہ بوڑھے باپ کو گھر واپس لے آیا۔ بڑھاپے میں ایک باپ کے دکھ کو شاعر نے بڑی خوبصورتی سے پرویا ہے۔

وہ لفظ ڈھونڈ رہا تھا لرزتے ہونٹوں سے
ضعیف باپ کو بیٹے سے بات کرنی تھی

یہ صورتحال ایک اسلامی معاشرے میں تو انتہائی تکلیف دہ ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر والدین میں سے باپ کا رویہ تلخ بھی ہو جائے تو اسے اولاد اپنی شیریں زبان سے دور کر سکتی ہے۔ ان کے بارے میں دل میں کوئی برا خیال لائے بغیر صبر کرنا اور ان سے حسن سلوک کرنا چاہیے۔ اولاد اگر باپ کے احسانات کو یاد کرے تو شاید ساری عمر اس کی قرضدار ہے۔ پاؤں سے چلنا سکھانے سے لے کر کاپیاں، قلم، اچھا کھلانا، اچھا پہنانا بقول شاعر۔

رہا پابرہنہ وہ خود سدا، نیا بوٹ مجھ کو دلایا
مرے باپ کے اسی روپ نے مجھے باپ جیسا بنا دیا
وہ جو سردیوں میں ہوا چلی تو ٹھٹھرتی رات کو فرش پہ
مرا باپ چپکے سے سو گیا، مجھے اپنا کھیس اڑھا دیا

اور نہ جانے کون کون سے ایسے احسانات ہیں کہ جن کا ہمیں شعور بھی نہیں۔ ہمارا مذہب ہمیں اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تلقین کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسا کرنے سے تمہارے بیٹے تمہارے ساتھ ۔۔۔ سلوک کریں گے۔ ”ماں کی دعا کو جنت کی ۔۔۔ کہا گیا ہے ۔۔۔ حدیث شریف میں ہے کہ باپ کی دعا اپنی اولاد کے ۔۔۔ ایسی ہوتی ہے جیسی ایک نبی کی دعا اپنی امت کے لیے۔

اس نے زندگی کو صرف ایک ہی رُخ ہی دیکھا تھا
لیکن جب دوسرا رُخ سامنے آیا تو......

بھول

تحریر
محمد شعیب مرزا

وہ حیران و پریشان کھڑا تھا اس کے سامنے نہایت ہی دلکش منظر تھا۔ رنگا رنگ پھولوں کے باغات مختلف قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے درخت، سرسبز پہاڑ، خوبصورت وادیاں اور دودھ کی نہریں۔ وہ منظر اس کے سامنے حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس نے آج تک ایسا حسین منظر نہیں دیکھا تھا۔

وہ اس خوبصورت منظر میں کھو جانا چاہتا تھا۔ وہ درختوں پر لگے انواع اقسام کے پھل کھانا چاہتا تھا۔ نہروں میں بہتا دودھ پینا چاہتا تھا۔ پھولوں سے بھرے باغات میں ٹہلنا چاہتا تھا لیکن اس کے درمیان ایک غیر مرئی دیوار حائل تھی۔ وہ جونہی آگے بڑھنے لگتا ایک دکھائی نہ دینے والی دیوار سے ٹکرا جاتا۔ وہ دائیں بائیں بڑی دور تک گیا لیکن کہیں سے بھی اسے اندر جانے کا راستہ نہ ملا۔ آخر کار وہ تھکاوٹ سے چور ہو کر مایوسی کے عالم میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔

---☆☆☆---

اسے اپنا ماضی یاد آنے لگا اس کا باپ ایک فیکٹری میں ملازم تھا۔ اس کی ماں بڑی شفیق عورت [illegible]۔ وہ اپنی ماں کی بڑی خدمت کرتا تھا۔ اس [illegible] جنت ماں کے قدموں تلے [illegible] میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ اکثر اپنی ماں کے پاؤں دباتا اور ہر طرح سے اپنی ماں کا خیال رکھتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ اپنی سوئی ماں کے قدموں کو چوم لیا کرتا تھا۔

لیکن اپنے باپ کے ساتھ اس کا رویہ کچھ ٹھیک نہ تھا۔ اپنے باپ کی بات سنی ان سنی کر دیتا۔ اس کا باپ اگر کبھی زیادہ کام کی وجہ سے گھر دیر سے آتا تو اس کی ماں اسے کہتی کہ تمہارا باپ تھکا ہوا آیا ہے اس کی ٹانگیں دبا دو تو وہ کہتا کہ آج ہمارا میچ تھا اس لئے میں خود بہت تھکا ہوا ہوں۔ اسے شکوہ تھا کہ اس کا باپ اسے کہیں سیر کے لئے نہیں لے کر جاتا۔ اسے وقت نہیں دیتا حالانکہ اس کا باپ اس کے بہتر مستقبل کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کرتا اور اکثر چھٹی کے دن بھی وہ کام پر چلا جاتا۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ بیمار بھی رہنے لگا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنے باپ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسے ایک ادارے میں بہت اچھی ملازمت مل گئی۔

رہی۔ میں بیمار ہوتا تو میری ماں ہی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتی اور ساری ساری رات میرے سرہانے بیٹھی رہتی۔ میرا باپ رات کو دیر سے آتا، بس چند لمحے میرے پاس بیٹھ کر میرا حال پوچھتا اور جا کر سو جاتا اور صبح سویرے پھر کام پر چلا جاتا۔ اسے میری پرواہ کب تھی۔ میری ماں میری جنت ہے۔ میں اس کی خدمت کر کے جنت حاصل کر کے رہوں گا۔ میں اپنی ماں کے خلاف کسی کی بات برداشت نہیں کر سکتا۔

کبھی کبھی اس کی ماں بھی اسے سمجھاتی کہ تمہارا باپ دن رات تمہارے لئے ہی اتنی محنت کرتا تھا۔ وہ تمہیں بڑا آدمی بنانا چاہتا تھا۔ وہ تمہیں اعلیٰ تعلیم دلانے اور ہر طرح کی آسائش فراہم کرنے کے لئے ہی تو دو شفٹوں میں کام کرتا تھا۔ وہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس اس لئے نہیں لے کر جاتا تھا کہ چھٹی کی وجہ سے اس کی تنخواہ کٹ جاتی تھی لیکن یہ تو سوچو کہ تمہارے علاج پر اسی کا کمایا ہوا پیسہ خرچ ہوتا تھا۔ تمہاری خواہشوں پر اس نے اپنی ضرورتوں کو قربان کر رکھا تھا۔ اور تمہارے سنہرے مستقبل کے لئے اس نے اپنی ساری زندگی گزار دی۔ آج تم جس مقام پر ہو یہ

اس نے ایک خوبصورت گھر بنوایا۔ شادی بھی ہو گئی۔ اس دوران اس کا باپ محنت و مشقت کی وجہ سے شدید بیمار ہو گیا۔ بیماری کے دوران اس نے اپنے باپ پر خاص توجہ نہ دی۔ وہ یہی سوچتا رہا کہ اس نے کون سا میرا خیال رکھا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد وہ اپنی ماں کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنے لگا۔ اگر وہ بیمار ہوتی وہ ساری رات جاگ کر اس کی تیمارداری کرتا۔ اس کی بیوی کا اگر اس کی ماں سے کبھی جھگڑا ہو جاتا تو وہ اپنی بیوی کو سخت برا بھلا کہتا۔ کبھی کبھار اس کی بیوی غصے میں اسے کچھ کہہ دیتی کہ آپ کا باپ بیماری میں عدم توجہ کی وجہ سے فوت ہو گیا اس کا کبھی آپ نے خیال نہیں رکھا۔ لیکن اپنی ماں کی دن رات خدمت کرتے رہتے ہو اور ہر صحیح غلط بات پر اسی کی طرف داری کرتے ہو۔

اپنی بیوی کی ایک بات [illegible] کہ میرے باپ [illegible] ساری زندگی صرف [illegible] پیسہ [illegible]

تمہارے باپ کی دن رات کی محنت کا ہی نتیجہ ہے۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ کہتا کہ آج میں جس مقام پر ہوں وہ میری محنت کا نتیجہ ہے اگر میں ذوق و شوق سے تعلیم حاصل نہ کرتا تو آج اس مقام پر نہ ہوتا۔ البتہ تمہاری دعائیں ضرور میرے شاملِ حال تھیں میں آج جو کچھ بھی ہوں تمہاری وجہ سے ہوں۔ مجھے دنیا کی جنت بھی تمہاری وجہ سے ملی ہے۔ اور آخرت کی جنت بھی تمہاری ہی وجہ سے ملے گی۔

---☆☆☆---

آج جنت اس کے سامنے تھی۔ وہ اسے دکھائی دے رہی تھی لیکن جنت کے اندر جانے کا کوئی راستہ اسے نہیں مل رہا تھا کہ [illegible] دنیا میں [illegible] وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ باپ [illegible] جنت کا دروازہ ہے۔

☆☆☆

زبردست جملہ آپ کا اور شاندار انعام بھی آپ کا

اس تصویر کے حوالے سے زبردست جملہ "پھول" میں شائع کردہ کوپن پر اپنے نام و پتہ کے ساتھ لکھ کر 10 تاریخ تک بھجوائیں اور انعام پائیں

رنگ بھرئیے

راستہ تلاش کریں

دونوں تصویروں میں سات جگہ فرق ہے۔ ذرا ڈھونڈ کر بتائیے